Individualland
Where the individual counts

فرد

شمارہ نمبر۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء

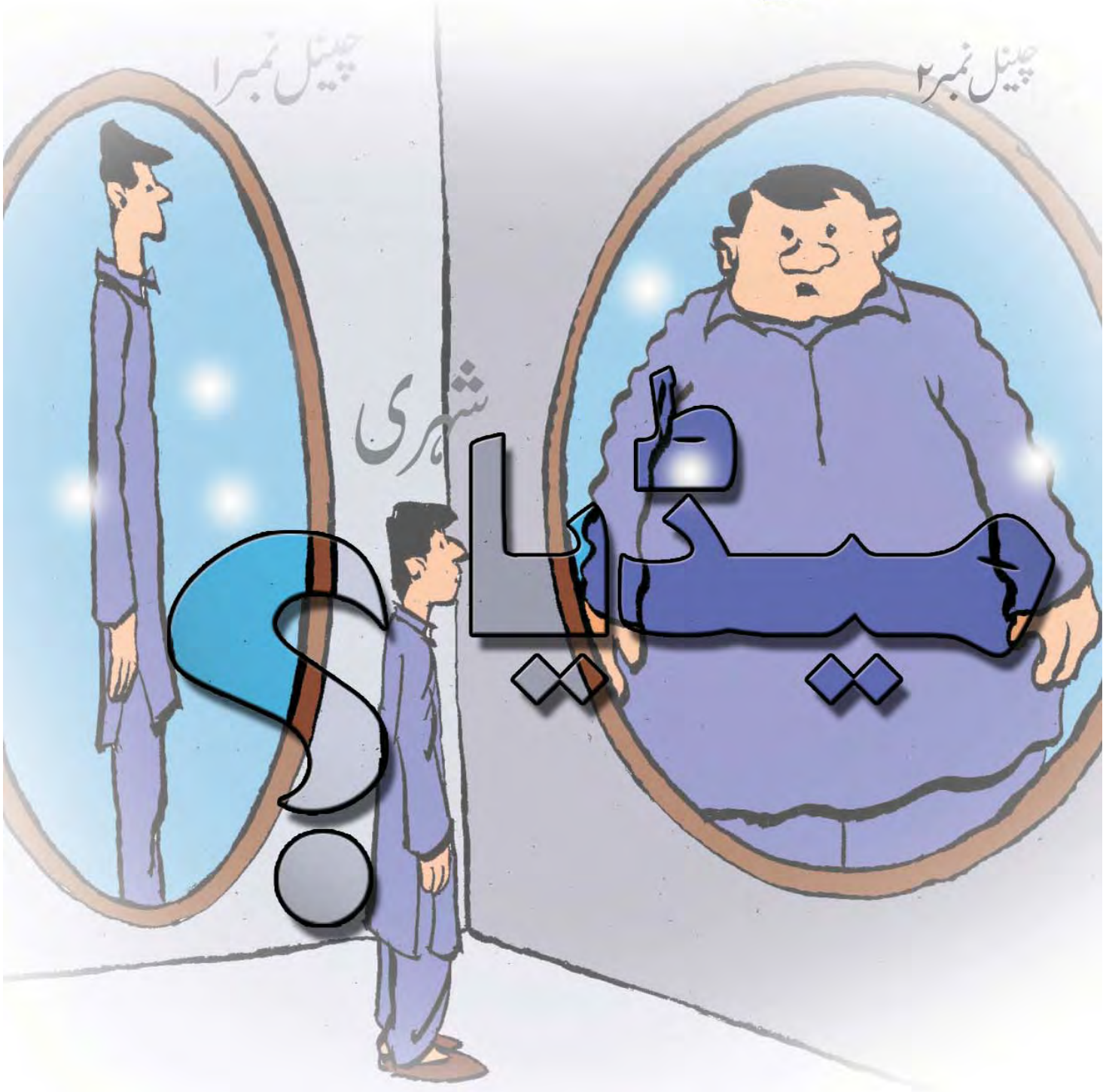

Friedrich Naumann STIFTUNG FÜR DIE FREIHEIT
کے تعاون سے

فرد

شمارہ نمبر ۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء

فہرست

ایڈیٹر کے ڈیسک سے۔۔۔۔	۳
پاکستانی میڈیا اور سلف سنسر شپ	۴
پاکستانی میڈیا کی جنگ: لڑائی بغیر کسی وجہ کے	۶
بلوچستان اور قومی میڈیا	۸
طاقت جو ماند پڑ جائے	۱۰
لبرل نقطہ نظر	۱۲
میڈیا اور معاشروں کی تشکیل	۱۴
عوام کی طاقت	۱۶
میڈیا کا ارتقاء اور معاشرتی تبدیلی۔ 'صحافت یا ادب عجلت میں'	۱۸
صحافت یا ادب عجلت میں	۲۰
میڈیا اور عوام	۲۲
قارئین کی آراء	۲۴
فیس بک تبصرے	۲۸

ایڈیٹر:
مہر خان

پبلشر:
انڈویجوئل لینڈ پاکستان

کارٹونسٹ:
اختر شاہ ۔ فاروق قیصر

ISBN: 978-969-9582-02-8

Individualland
Where the individual counts
مکان نمبر ۱۲۔بی، سٹریٹ نمبر ۲۶، ایف۔۱/۸، اسلام آباد

Friedrich Naumann STIFTUNG FÜR DIE FREIHEIT
کے تعاون سے

ایڈیٹر کے ڈیسک سے۔۔۔۔

اس اکتوبر، ہم فرد میگزین کے دوسرے شمارے کے ساتھ حاضر خدمت ہیں۔ یہ سفر جو 'میڈیا اور تنازعات' سے شروع ہوا اب اس منزل پر آن پہنچا ہے جہاں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ میڈیا آخر ہے کیا؟ اکیسویں صدی میں میڈیا تبدیلی کا ایک اہم عنصر رہا ہے۔ بہت سے انقلابات اور حکومتوں کے تختے الٹانے میں میڈیا کا مرکزی کردار رہا ہے۔ مگر کیا یہ تعریف یا الزام درست ہے؟ کیا یہ واقعی تبدیلی کا عنصر ہے یا پھر نا کامی کا؟ اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کے پیش نظر ہم یہ جاننے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ کیا معاشرے میڈیا کی تشکیل کرتے ہیں یا میڈیا معاشروں کی تشکیل کرتا ہے؟

صحافت اور ادب میڈیا کی تشکیل کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ان کا کیا کردار ہے؟ آخر میڈیا مواصلات میں کیا مواد استعمال کرتا ہے؟ کیا میڈیا صارفین کی حیثیت سے ہم دوسروں کی دیکھا دیکھی میڈیا سے نفرت کرنا چھوڑ دیں اور اسے اپناتے ہوئے اس کی بہتری میں اپنا کردار ادا کریں؟ یا پھر ہم ایک قدم پیچھے ہٹ کر یہ جاننے کی کوشش کریں کہ آخر میڈیا میں ہو کیا رہا ہے؟ اسے کون سے عوامل مرتب کرتے ہیں؟ کون اسے منفرد بناتا ہے؟ اور آخر معاشرے سے اس کا کیا تعلق ہے؟

فرد کے اس شمارے میں ہم نے میڈیا کے بہت سے پہلوؤں کو میڈیا مبصرین کی مشہور کہاوتوں کی تنقید کے ذریعے جاننے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کے مشہور لوگوں کے میڈیا کے بارے میں مختلف خیالات رہے ہیں۔ مارشل مک لوہن نے کہا تھا کہ 'معاشروں کی تبدیلی میں میڈیا کی ساخت کا کردار، اس میں استعمال ہونے والے پیغام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فیلیپائن کے سابق وزیراعظم کورازون ایکوینو نے ایک موقع پر کہا 'میڈیا کی طاقت نازک ہے۔ عوام کی حمایت کے بغیر اسے اسطرح بند کیا جاسکتا ہے جیسے ایک لائٹ سوئچ کو بند کیا جاتا ہے۔' ولیم برن بیک جو کہ امریکن ایڈورٹائزنگ ایگزیکٹیو رہے ہیں، نے کہا تھا کہ 'ہم سب جو ذرائع ابلاغ یا میڈیا کو پیشہ ورانہ طور پر استعمال کرتے ہیں، وہ ایک معاشرے کو تشکیل دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ہم اسے عامیانہ اور وحشی بنا سکتے ہیں یا پھر اسے ایک اونچے مقام پر لے جاسکتے ہیں۔'

اگر ہم یہاں بیان کردہ ان کہاوتوں کو پاکستان کے تناظر میں دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ پاکستانی میڈیا نے ایک لمبا سفر طے کیا ہے 1947 سے لے کر اب تک پاکستان میں میڈیا نے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ اسے اپنے آپ آگے بڑھنے کی اجازت کبھی نہیں دی گئی۔ بلکہ ہمیشہ اس کا منہ بند کرانے کی کوششیں کی گئیں اور اس پر بہت سے مظالم بھی ڈھائے گئے۔ نا صرف آمرانہ نظام حکومت بلکہ برائے نام جمہوری حکومتوں نے بھی ہمیشہ میڈیا کو خاموش کرانے کی کوششیں کیں۔ البتہ یہ تمام ہتھ کنڈے اسے معاشرے سے تعلق جوڑنے سے نا روک سکے۔ ہم اخبارات، ٹی وی، ریڈیو اور سماجی میڈیا کے ذریعے معاشرے کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ افراد میڈیا پر پہلے سے کہیں زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں۔ اسی وجہ سے میڈیا اب پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہو چکا ہے۔

پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم آپ کو جواب بھی فراہم کر سکیں گے۔ مگر اس میں ہم ناکام رہے۔ بلکہ اس میگزین میں آپ کو جوابات سے کہیں زیادہ سوالات کا سامنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہم آپ لوگوں، یعنی کہ میڈیا کے صارفین کی مدد چاہتے ہیں، تاکہ آپ میڈیا اور معاشرے کے موجودہ تعلق کو غور سے دیکھیں اور سمجھیں کہ اتنے سالوں میں میڈیا نے کیسے ترقی کی، یہ اب کس مقام پر کھڑا ہے۔ اس طرح آپ لوگ ان سولات کے جوابات ڈھونڈنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

اگلے شمارے تک کیلئے اجازت

مہر خان

پاکستانی میڈیا اور سلف سنسر شپ

تحریر: عمر قریشی

اگر آپکو یہ بات ہزار دفعہ کہی جائے کہ 'آخر یہ مسائل میڈیا پر کیوں اجاگر نہیں کئے جاتے' تو آپ کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شاید میڈیا خود ایک مسئلہ ہے۔' سوینڈر رابنسن، ۱۹۹۷۔

[امیر میڈیا، غریب جمہوریت، رابرٹ مک چسنے، صفحہ نمبر ۳۱۵]

اگر ایسا کہنے سے مراد خود کے احتساب یا سیلف سنسر شپ سے ہے جو کہ اکثر ہوتا ہے، مگر یقیناً ایسا صرف پاکستان تک محدود نہیں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ یک صحافی کو اپنی پہنچ میں سب کچھ کرنا چاہیے، خواہ اس کے لئے گنا چنا خطرہ ہی کیوں نا مول لینا پڑے۔ ہاں البتہ کئی مرتبہ یہ بھی ممکن ہوتا کہ آپ کو اپنا کوئی آرٹیکل سنسر کرنا پڑے یا پھر کسی ادارتی مضمون میں تبدیلیاں کرنی پڑیں، شاید آگے چل کر یہ سب کہنا کا موقع مل جائے یا آپ پہلے ہی یہ سب کہہ چکے ہوں ورآپ کا پیغام لوگوں تک پہنچ چکا ہو۔ مگر یہ سب جتنا آسان نظر آتا ہے شاید اتنا آسان ہے نہیں۔

پاکستان میں میڈیا کو کافی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ خود حتسابی کو مثبت طریقے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے اور منفی بھی۔ ہر کام کی کچھ خلاقی حدود ہیں اور یہ میڈیا پر بھی لاگو ہوتی ہیں۔ ایک اخبار کے لئے تصاویر، مضامین اور خبریں چھاپنے سے پہلے اس علاقے کے مذہب اور رسم و رواج کا خیال کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میڈیا جو کچھ بھی دکھاتا ہے وہ حقیقت ہوتا ہے۔ یہ یقیناً درست ہوگا، مگر کیا ہم اپنے بچوں کو ایک ہی دفع میں سب کچھ بتا دیتے ہیں؟ نہیں، ہم اسے وقت کے بھروسے نئی چیزیں سیکھنے کا موقع دیتے ہیں، کیونکہ ہر کام کے لئے ایک وقت متین ہے۔ میڈیا معاشرے کیلئے آئینے کی حیثیت رکھتا ہے، مگر ہر کوئی آئینے میں اچھا دکھنا چاہتا ہے۔ میڈیا کو سچائی دکھانی چاہیے مگر ساتھ ہی ساتھ اس معاشرے کی اخلاقی اقدار کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ پاکستانی معاشرہ مختلف اقسام کے لوگوں پر مشتمل ہے، اور تمام فراد کہیں نا کہیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہاں البتہ جو چیز ان سب کو اکٹھا کرتی ہے وہ یہاں کا مذہب ہے جسے آبادی کے ۹۷ فیصد سے زیادہ لوگ مانتے ہیں۔ لہذا میڈیا کو کچھ بھی چھاپنے سے پہلے ان چیزوں کا خیال کرنا چاہیے جس سے اتنی بڑی آبادی ناراض نہ ہو۔

پاکستان کے انگریزی میڈیا میں پچھلے چند سالوں میں سلف سنسر شپ یا خود احتسابی میں قدرے کمی واقع ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں ایک ایڈیٹر کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہے۔ پچھلے چند سالوں میں فیس بک اور ٹویٹر جیسی سماجی میڈیا ویب سائٹس کی کامیابی کے بعد بہت سے ایسے موضوعات جن پر پہلے گفتگو کرنا ناممکن ہوتا تھا اب کم از کم آن لائن میڈیا پر ان پر گفتگو شروع ہو چکی ہے۔ اور چونکہ آن لائن گفتگو میں حصہ لینے والوں کی تعداد نسبتاً کم ہے، اس لئے اکثر یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ بہت سے ایسے موضوعات جو کہ پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا کے لئے بہت مقدس سمجھے جاتے ہیں، کبھی کبھار آن لائن میڈیا سے روایتی میڈیا کا رخ کر لیتے ہیں۔ اور یقیناً یہ اچھی بات ہے۔ اکثر اوقات چند موضوعات پر بحث اس لئے نہیں ہوتی کہ ان کو باوسوخ بنانے کے لئے کوئی حالیہ واقعہ یا خبر موجود نہیں ہوتی، حالانکہ اس کا سلف سنسر شپ یا خود احتسابی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

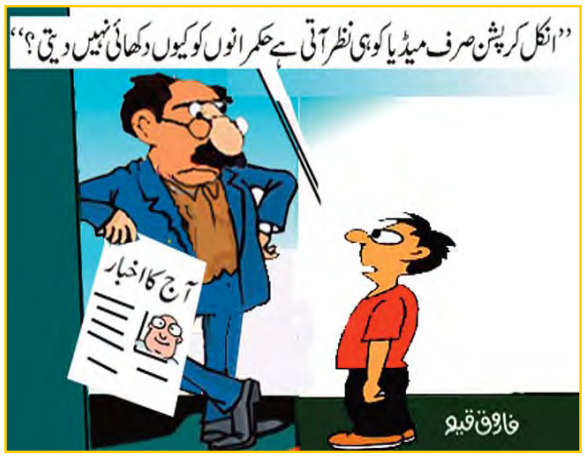

آن لائن یا سماجی میڈیا نے روایتی میڈیا کی وضع قطع تبدیل کر دی ہے۔ یہاں ہونے والی گفتگو زیادہ وسیع ہوتی ہے اور ہر کسی کو اپنی بات کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ وہ موضوعات جو پہلے اخبارات اور ٹی وی پر زیر بحث نہیں لائے جاتے تھے اب اکثر و بیشتر ان پر بھی گفتگو ہو جاتی ہے۔ اس سے یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ میڈیا پہلے سے کہیں زیادہ آزاد ہو چکا ہے۔ البتہ ایک معاشرے میں رائج اقدار کا احترام سب پر لازم ہونا چاہیے اور یہ میڈیا پر بھی اسی طرح لاگو ہوتا ہے۔ اسی طرح معاشروں کی سلامتی

کو لازم بنایا جا سکتا ہے۔ اب تک تو پاکستانی میڈیا نے ایک اچھا کردار ادا کیا ہے۔ خاصطور پر اگر اس کا موازنہ خطے کے دوسرے ممالک سے کیا جائے تو ہم یہ جان جائیں گے کہ پاکستانی میڈیا نے واقعی ایک اچھا کردار ادا کیا ہے۔

لہذا یہ کہنا کہ پاکستان میں میڈیا ایک مسئلہ ہے تو یہ یقیناً درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اگر یہ میڈیا نا ہوتا تو شاید بہت سے مسائل اب تک دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ اور پاکستان میں میڈیا کا سب سے اہم کردار ایک پریشر گروپ کی طرح کام کرنا ہے جو کہ گورنمنٹ کو عوامی مسائل سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔

یہ مضمون خصوصی طور پر فرد میگزین کے لیے لکھا گیا ہے جس کے لیے ہم مصنف کے شکر گزار ہیں۔

مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:

info@individualland.com

پاکستانی میڈیا کی جنگ: لڑائی بغیر کسی وجہ کے

<تحریر: ہما یوسف>

''کمپنیوں کی طرح، ممالک اور کمیونیٹیز بھی اکثر اوقات حالت جنگ میں رہتے ہیں۔ دوسری تمام لڑائیوں کی طرح، میڈیا کی جنگ بھی بہت سے متاثرین، اکثر اوقات غریب لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔'' ڈینی شیسٹر، باب دوم۔ امن کی صحافت اور میڈیا کی جنگ؛ صحافت کی اصلاح؛ صحافی کیا کر سکتے ہیں؟

[ستمبر ۱۹۹۸ میں امن اور جنگ کے فورمز میں پیش کیا گیا مضمون]

قومی، مرکزی دھارے میں شامل میڈیا سے متعلق ایک بحث ہمیشہ سے جاری رہی ہے: کیا میڈیا لوگوں کے مفاد میں یا قومی مفاد میں کام کرتا ہے؟ دوسرے الفاظ میں، کیا صحافت شہری کا مملکت کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے کام کرتی ہے؛ یا یہ کہ قوم کے نظریاتی تصور کو اجاگر کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے؟۔ یہ بحث تو اپنی جگہ جائز ہے مگر کسی بھی ملک میں آزاد میڈیا کے متعلق ایک کڑوی حقیقت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے: کیونکہ پرائیویٹ میڈیا کو کارپوریٹ مفاد کا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔ سخت مقابلے کے دور میں، میڈیا، چاہے وہ پرنٹ ہو یا الیکٹرونک یا پھر آن لائن میڈیا، صحافیوں کو اپنی بقاء کی خاطر شہریوں اور ان کے نمائندگان کے بجائے اشتہار دینے والوں اور صارفین کی ترجیحات کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہی امر جو اخلاقی منشور سے کہیں زیادہ مملکت کے چوتھے ستون یا میڈیا پر اثر انداز ہوتا ہے حقیقت میں جدید صحافت کو چلانے کو آلہ بن چکا ہے۔

اسی وجہ سے ڈینی شیسٹر اپنے مضمون 'امن کی صحافت اور میڈیا کی جنگ: صحافت میں اصلاح کی جدوجہد' میں میڈیا کا مالی فائدہ اٹھانے اور دوسری جانب عوامی خدمت کا کام سرانجام دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میڈیا کے سربراہان جنگ کی زبان میں بات کرتے ہیں اور ہر وقت ناظرین پر راکٹ برسانے، مارکیٹ کو ہدف بنانے، منافع کمانے، مقابلہ جیتنے کی بات کرتے ہیں جس سے ان کا مقصد دوسروں کی نسبت زیادہ پیسہ کمانا ہوتا ہے۔۔ ایسی صورت حال میں میڈیا میں کام کرنے والے لوگوں، بشمول صحافیوں کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ انتہائی مقابلے اور ریٹنگ کی دوڑ سے دور رہیں۔

یہی حقیقت پاکستان کے ایک دہائی پرانے آزاد میڈیا کو بھی بیان کرتی ہے۔ الیکٹرونک میڈیا انڈسٹری پھیلنے اور معیشت میں وسعت کی وجہ سے، میڈیا کوریج میں زیادہ مقابلہ پیدا ہو گیا ہے اور نتیجے کے طور پر میڈیا زیادہ حساسیت پیدا کرنے والا، غیر ذمہ دار اور نادرست ہو گیا ہے۔ عوامی یا قومی مفاد کے بجائے بہتر ریٹنگ کی بناء پر زیادہ آمدنی بہت سے میڈیا آؤٹ لیٹس کی پہلی ترجیح بن گئی ہے جو صحافتی اصولوں سے انحراف ہے۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ درجنوں پرائیویٹ ٹیلی ویژن چینل ایک غیر مستحکم معیشت میں محدود اشتہاری محاصل کے حصول کے لئے مقابلہ کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، سال ۲۰۰۹ میں، سات بڑے چینلوں نے ۲۳ ارب روپے کے اشتہاری محاصل میں ۶۰ فی صد تک کا حصہ کمایا جبکہ باقی چینل محض اپنی بقاء کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے۔

میڈیا آؤٹ لیٹس خاص طور پر ٹیلی ویژن چینلوں کی اشتہار دینے والوں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش اکثر اوقات غیر مناسب اور حساسیت سے بھرپور صحافت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۹ میں پشاور کا مینا بازار دھماکہ جس میں ۱۰۰ سے زائد لوگ مارے گئے تھے اور جولائی ۲۰۱۰ میں اسلام آباد کے نزدیک ایئر بلیو کے طیارے کے حادثے کے وقت ہم نے ملاحظہ کیا کہ ٹیلی ویژن کے پردوں پر نعشوں اور متاثرین کے جسم کے ٹکڑے دکھائے گئے اور اس طرح متاثرین کے لواحقین کے لئے مزید اذیت پیدا کی گئی اور ملک بھر میں بچوں کے اذہان کو متاثر کیا گیا۔

بعض دفعہ میڈیا کی آزادانہ کوریج قومی سلامتی کو بھی بری طرح متاثر کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، اکتوبر ۲۰۱۰ میں، ٹیلی ویژن چینلوں نے اس وقت حکومت کی طرف سے سپریم کورٹ کے ججز کی بحالی کا نوٹیفیکیشن واپس کرنے کی منصوبہ بندی کی خبر دی جب ججز کی بحالی کے لئے وکلاء کے لانگ مارچ بعد انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان پہلے ہی تعطل کی فضاء موجود تھی۔ جواب میں، سپریم کورٹ نے ایک ہنگامی پریس ریلیز جاری کرتے ہوئے اٹارنی جنرل کو

طلب کرنے کی تیاری شروع کردی۔ تاہم بعد میں یہ واضح ہوگیا کہ میڈیا رپورٹوں کی بنیاد افواہ تھی اور حکومت کو بار بار یہ وضاحت جاری کرنا پڑی کہ رپورٹ بے بنیاد اور غلط ہے۔ تاہم، میڈیا کوریج نے انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان موجود کشیدگی کو ہوا دی اور اس طرح جمہوری حکومت کے لئے خطرہ پیدا کیا۔

اسی طریقے سے کیری لوگر بل، جو پاکستان کی امداد کے لئے امریکہ کا سویلین امدادی پیکیج تھا، اس پر آزاد میڈیا کوریج نے تباہ کن اثرات ڈالے۔ حساسیت سے بھرپور میڈیا نے یہ خبر دی کہ پاکستانی فوج امداد کے بل کی شرائط کے خلاف ہے جو حکومتی اہلکاروں نے تیار کی ہیں جس سے قومی سطح پر ایک بحران پیدا ہوا اور فوج اور حکومت کے درمیان ایک ادارہ جاتی تصادم کا خطرہ پیدا ہوگیا۔

تازہ ترین واقعات میں ہم نے مشاہدہ کیا کہ میڈیا نے ریٹنگ کی غرض سے تشدد کو ہوا دی اور پاکستانی شہریوں کو جنگ میں جھونک دیا۔ مثال کے طور پر، اس سال جولائی میں، پیپلز پارٹی کے ممبر سندھ اسمبلی ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کو کراچی کی اردو بولنے والی آبادی کے خلاف بیان دینے پر ایک صحافی نے آن ایئر خاص کوریج کی خاطر اکسایا۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کی ڈاکٹر مرزا کی ٹیلی ویژن تقریر نے لسانی۔ سیاسی تفریق میں اضافہ کیا اور ۷۱ لوگ اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔

کچھ عرصہ قبل پاکستانی میڈیا کا کردار یہ نہیں تھا۔ پاکستان کے آزاد میڈیا نے اکتوبر ۲۰۰۵ کے تباہ کن زلزلے میں قابل تحسین کردار ادا کیا اور خبر اور انسانی امداد کے کام کو اکٹھا کیا۔ ملک بھر سے صحافی زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں جمع ہوگئے اور اس تباہی پر تمام تر مشکلات کے باوجود رپورٹنگ کرتے رہے۔ انکی کوریج اسقدر بھرپور تھی کہ امدادی سرگرمیوں میں مصروف فوجی حکام بھی ان کی رپورٹنگ پر انحصار کرنے لگے۔ معروف ٹیلی ویژن اینکرز نے بھی زلزلے سے متاثرہ علاقوں سے باہر لوگوں کو امدادی سرگرمیوں کے لئے تیار کیا۔ ذمہ دار میڈیا کوریج سے بلا شک و تردید امدادی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ لیکن یہ سب اس لئے ممکن ہوا کیونکہ اس وقت چینلوں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور سخت مقابلے پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے انہوں نے زلزلے سے متاثرہ علاقوں کے لوگوں کی خدمت پر توجہ دی۔

پچھلے چند سالوں کے دوران، بدقسمتی سے چینلوں کی بھرمار کی وجہ سے پاکستان میں ایک میڈیا جنگ شروع ہو چکی ہے۔ پرائیویٹ میڈیا تنظیمیں ہیڈ لائینز، سکوپس، ریٹنگ، ناظرین اور اشتہاری محاصل پر لڑائی کرتی نظر آتی ہیں۔ لازمی طور پر ان کی لڑائی کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ اپنے مضمون میں شیسٹر نے 'میڈیا کی جنگ' کی اصطلاح اسی مختلف حالت کے لئے استعمال کی ہے جہاں پر میڈیا کے آؤٹ لیٹس جنگ کے کردار ہیں۔ وہ پروپیگنڈا کے ماہر اور تشدد کو اکسانے اور اسکے ارتباط کا کردار ادا کرنے والے نظر آتے ہیں۔

پاکستان میں میڈیا کا تشدد کو ہوا دینے کا عنصر عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس بات کو کون فراموش کرسکتا ہے کہ ڈاکٹر عامر لیاقت حسین کے اس کے جیو کے پروگرام عالم آن لائن میں ستمبر ۲۰۰۸ میں احمدیوں کے قتل سے متعلق بیان کی وجہ سے دو لوگ مارے گئے۔ حال ہی میں، پنجاب کے سابق گورنر سلمان تاثیر کی ایک عیسائی عورت آسیہ بی بی کو جس پر توہین رسالت کا الزام تھا بچانے کو کوشش اور میڈیا کی انوکھی کوریج نے اسے غلط طور پر ایک توہین رسالت کا مرتکب ٹھہرا دیا۔ اور اس کو اس کے محافظ نے اس سال جنوری میں قتل کردیا اور بعض تجزیہ کاروں نے یہ کہا کہ اینکرز اور میزبانوں کے اشتعال انگیز تبصرے اس کی موت کے بالواسطہ طور پر ذمہ دار تھے۔

میڈیا اسی طریقے سے لسانی۔ سیاسی تشدد کو کراچی میں ہوا دینے کا ذمہ دار ہے۔ جولائی میں ڈاکٹر مرزا کی ناپسندیدہ بڑھکوں کی کوریج کی وجہ سے کراچی میں برسرپیکار مختلف گروہوں کو اکسایا گیا۔ اردو زبان کے اخبارات نے مثال کے طور پر سندھی سیاستدان کے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے متعلق منفی تبصرے پر توجہ مرکوز کئے رکھی۔ اس طرح میڈیا تشدد کو ہوا دینے کا ایک طاقتور عامل بن گیا اور جولائی کے مہینے میں ۳۰۰ سے زیادہ لوگ کراچی میں مارے گئے۔

اس طرح مختلف سطحوں پر جنگ و جدل میں مصروف۔ مالی فائدے اور ریٹنگ کی خاطر، اور حقیقت میں تشدد کو ہوا دینے کے وجہ سے، پاکستانی میڈیا سے متاثرہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ سب سے زیادہ متاثر ہونے والے وہ شہری ہیں جن کا ذکر میڈیا میں نہیں آتا۔ چینل اور اخبارات اپنی جنگ میں، مظلوم عورتوں، اقلیتوں، ناخواندہ بچوں، استحصال شدہ مزدور طبقے اور ناقص معاشی اور ترقیاتی پالیسیوں کو نظرانداز کرتے ہیں جن سے سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی بھی چیز جس سے کوئی بڑی شہ سرخی نہ بن سکے یا جس سے لوگوں کے غم و غصے میں اضافہ نہ کیا جا سکے اس کی خبر نہیں دی جاتی اور اس طرح ان مسائل کو حل نہیں کیا جاتا۔ اکثر اوقات، ان ہی چیزوں کی وجہ سے پالیسی پلاننگ ناکام ہوتی نظر آتی ہے اور کرپشن کو فروغ حاصل ہوتا ہے جس سے جمہوریت کے راستے میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور شہریوں کو انکے حقوق نہیں مل پاتے۔ اسی وجہ سے پاکستان کا آزاد میڈیا عوام کو اپنے سے دور رکھ کر جن کی خدمت اس کا بڑا مقصد ہونا چاہیے، ۱۸ کروڑ کی آبادی میں متاثرین پیدا کر رہا ہے۔

یہ مضمون خصوصی طور پر فرد میگزین کے لئے لکھا گیا ہے جس کے لئے ہم مصنف کے شکر گزار ہیں۔
مضمون سے متعلق مزید معلومات کیلئے رابطہ کیجیے:
info@individualland.com

بلوچستان اور قومی میڈیا

<از: ملک سراج اکبر>

پانچ سال قبل بلوچستان کے سابق گورنر، وزیر اعلیٰ اور بزرگ قوم پرست رہنما نواب خان بگٹی کی ہلاکت کے بعد ملک کے ایک معتبر انگریزی اخبار کے مدیر اعلیٰ نے راقم الحروف کو فون کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم مرحوم نواب کے صاحبزادے سلیم بگٹی کا انٹرویو کریں۔ ہم نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا ''سر یہ نہیں ہوسکتا''۔ موصوف نے گرج کر پوچھا ''کیوں نہیں ہوسکتا''۔ ہم نے بڑے ادب سے کہا جناب سلیم بگٹی کو انتقال ہوئے کئی سال ہوگئے ہیں اور آپ کو اس کی آج بھی تک نہیں ہے۔ ''قابل احترام مدیر نے موضوع سے توجہ ہٹاتے ہوئے فوراً کہا ''تو پھر سلال بگٹی کا ایٹرویو کرلو''۔ ہم نے مودبانہ لہجے میں گزارش کی کہ ''حضور سلال بگٹی ۱۹۹۲ میں کوئٹہ شہر میں شہید کئے گئے اور آپ آج ان کے انٹرویو کی فرمائش کر رہے ہیں؟''

ملک کے شورش زدہ صوبہ بلوچستا میں جو صحافی قومی اخبارات اور ٹیلیویزن کے لئے کام کرتے ہیں انھیں ہر روز اس طرح کے لطائف سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اگرچہ ہم نجی محفلوں میں نہ لطیفے اپنے دوستوں کا سناتے ہیں لیکن اس سے کسی کی دل آزاری ہرگز مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کا بنیادی مقصد اس دل شکن سچ کا انکشاف کرنا ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں جن لوگوں کی ذمہ داری لوگوں تک اطلاعات پہنچانا ہوتا ہے وہ خود کسی حد تک ملک کے سب سے بڑے صوبہ سے بے خبر ہیں۔

بلوچستان سے کئی سالوں تک جاری فوجی آپریشن کی رپورٹنگ کرتے کرتے ایک دن ہماری نیوز ایڈیٹر کے ساتھ لڑائی ہوگی۔ سوچئے کیوں؟ وہ اس لئے کہ محترم ہم پر برس پڑے کہ ہم نے مردان کی ایک ''اہم خبر'' کیوں کر فائل نہیں کی تھی۔ تھوڑی جرأت کے ساتھ ہم نے گلہ صاف کرتے ہوئے فون پر استسفار کیا۔ ''جناب مردان کی خبر ہم آپ کو کیوں دیں؟'' ہمارے دوست نے جواباً کہا کہا گر مردان کے خبر کی بلوچستان کا بیورو چیف نہیں دے گا تو پھر کون دے گا؟۔ ہم نے برجستہ لہجے میں کہا سر آپ کا کیا خیال ہے مردان کہاں ہے؟ انھوں نے بغیر کسی وقفے کے بتایا مردان بلوچستان میں ہے اور کدھر؟۔ ہم نے شائستہ لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے مطلع کیا سر مردان صوبہ سرحد [ان دنوں صوبہ خیبر پختونخواہ کو سرحد کہا جاتا تھا] میں ہے۔ اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے ہمارے نیوز ایڈیٹر نے پوچھا اچھا یہ فیصلہ کب سے ہوگیا؟۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب پاکستان میں نہ صرف عوامی اور صحافتی حلقوں میں اس بات کا اعتراف کیا جارہا ہے کہ قومی پریس میں بلوچستان سے متعلق خبروں کی اشد کمی ہے بلکہ یہ جاننے کی بھی شدت سے کوشش کی جارہی ہے کہ صوبہ سے متعلق جو خبریں قومی ذرائع ابلاغ میں آتی ہیں وہ کس حد تک وہاں کے لوگوں کے جذبات کی بنا پر صوبے بھر کے لوگوں کے ساتھ وہ ربط قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں جو عموماً اخبارات کی ذمہ داریوں کے

زمرے میں آتی ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ بلوچستان کے تمام اخبارات کوئٹہ شہر سے شائع ہوتے اور صوبے میں نجی شعبہ اور انڈسٹریز کی عدم موجودگی کا مالی انحصار مکمل طور پر سرکاری اشتہارات پر ہوتا ہے۔ چناچہ مقامی اخبارات اپنی مالی زندگی برقرار رکھنے کی خاطر صرف وہ ہی خبریں چھاپتے ہیں جو حکومت کو خوش کرنے کے موجب ہوں جو اخبارات سرکاری منشا کے خلاف کوئی خبر یا اداریہ شائع کرتے ہیں ان کو اس کی سزا اشتہارات کی بندش کی صورت میں ملتی ہے۔

کوئٹہ میں دو طرح کے اخبار شائع ہوتے ہیں ۔ پہلے درجہ میں وہ پرچے ہیں جو کہ کثیر الاشاعت قومی اخبارات کے ضمیمے کی صورت میں بلوچستان سے شائع ہوتے ہیں۔ ان اخبارات کا محض ایک کاروباری نقطہ نظر ہوتا ہے جس کے تحت وہ سرکاری اشتہارات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان نام نہاد قومی اخبارات کے ادارتی صفحات پر کئی کئی ہفتوں تک بلوچستان کے لوگوں کو درپیش مسائل سے متعلق کوئی تحریر شائع نہیں ہوتی کیوں کہ ان اخبارات کے ادارتی صفحے کراچی، لاہور یا اسلام آباد سے تیار ہو کر صوبے میں پہنچتے ہیں۔ ان

اخبارات کی حتی الوسع یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کوئی ایسا ''متنازعہ مواد'' شائع نہ کریں جس سے ان کے کاروبار پر اثر پڑے۔

دوسرے درجے میں بلوچستان کے وہ اخبارات آتے ہیں جن کی ادارت مقامی صحافی کرتے ہیں۔ اگرچہ ان اخبارات میں اندرون بلوچستان سے متعلق زیادہ تر خبریں ہوتی ہیں اور ادریاتی صفحہ پر مقامی مسائل کو اجاگر کیا جاتا ہے لیکن ان اخبارات کو حکومت کے طرف سے بدترین دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسال قبل فرنٹیر کورنے حکومت مخالف اردو اخبار روزنامہ ''آساپ'' کا اس وقت تک گھیراو کیا جب تک اخبار نے تنگ آکر باقاعدہ طور پر بند ہونے کا اعلان نہیں کیا۔ جہاں تک قومی اخبارات و نیوز چینلز کا تعلق ہے تو وہ آج بھی کوئٹہ کو بلوچستان اور بلوچستان کو کوئٹہ سمجھتے ہیں حالاں کہ کوئٹہ بلوچستان کے باقی ماندہ تمام ۲۹ اضلاع میں سب سے ترقی یافتہ تصور کیا جاتا ہے۔ بلوچستان میں اس وقت جو سیاسی و انسانی بحران جاری ہے اس کا اصل محور کوئٹہ نہیں بلکہ کے صوبے کے دیگر دور دراز علاقے ہیں۔ چوں کہ بلاچستان کسی بھی اخبار و چینل کے لئے خبروں کے حوالے سے منافع بخش صوبہ نہیں ہے اسی لیئے وہ صوبے کی کوریج میں اضافے کے خاطر سرمایہ لگانے کیلئے راضی نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر قومی اخبارات و چینلز کے مقامی بیوروز میں نامہ نگاروں کی کمی ہوتی ہے۔ بیشتر نامہ نگار کم وقت اور کم معاوضے کے عوض صوبے کے تیس اضلاع کی رپورٹنگ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان نامساعد حلات کے پیش نظر صوبے میں تحقیقاتی صحافت کی قطعاً گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بلوچستان کے بارے میں قومی اخبارات و ٹیلی ویژن چینلز کا بالکل وہی رویہ ہوتا ہے جو کہ امریکی یا یورپی میڈیا کا پاکستان کی جانب ہوتا ہے۔ جس طرح مغربی میڈیا میں خودکش حملوں، بم دھماکوں اور القاعدہ و طالبان سے جڑی ہوئی خبر صفحہ اول پر نمایاں شہ سرخی کے ساتھ شائع ہوتی ہیں بالکل اسی طرح بلوچستان سے متعلق صرف وہی خبریں قومی اخبارات اور چینلز پر جگہ پاتی ہیں جن کا تعلق گیس پائپ لائن اڑانے، ٹارگٹ کلنگ اور پرتشدد مظاہروں سے ہوتا ہے۔ ملک کسی سرکردہ اور دو یا انگریزی اخبار میں بلوچستان کے لئے کوئی مخصوص صفحہ نہیں ہوتا اور نا ہی کسی اخبار میں صوبے کے کسی کالم نگار کے مراسلے باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں جس سے وہاں کے لوگوں کے احساسات و خیالات جاننے کم موقع ملتا ہو۔ بیشتر اخبارات میں بلوچستان سے متعلق ان افراد کی تحاریر شائع ہوتی ہیں جن کو ''بلوچ'' [قوم] اور ''بلوچی'' [زبان] کا بنیادی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بلوچستان کے مقامی تجزیہ نگاروں کو ابھی تک قومی میڈیا میں اپنے علاقے کے لوگوں کی نمائندگی کے بہت کم مواقع ملتے ہیں۔ مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ اکثر و بیشتر ٹی وی پر ریٹائرڈ فوجی آفسران اور سرکاری بیوروکریٹ بلوچستان کے امور کے ''ماہرین'' بن کر اپنی رائے دے رہے ہوتے ہیں جنھوں نے شاید ہی زندگی میں کوہٹہ کے علاوہ صوبے کا کوئی حصہ دیکھا ہو یا کسی مقامی زبان پر عبور حاصل کی ہو۔

بلوچستان کی آبادی کا ایک اہم حصہ انگریزی اور اردو سے نابلد ہونے کی وجہ سے قومی ابلاغی دھارے شامل ہونے سے قاصر ہے جب کہ زبانوں [بلوچی، پشتو، براہوئی اور ہزارگی] میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو پروگرامز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسی لیئے دیہی علاقوں میں بسنے والی آبادی کو باخبر رکھنے اور ان کی آرا سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے کے مقامی زبانوں میں ایف ایم ریڈیو اسٹیشنز کا قیام عمل میں لایا جائے اور ٹیلیوژن چینلز پر وعلاقائی زبانوں میں زیادہ سے زیادہ پروگرامز نشر کئے جاہیں۔

اسی طرح ضرورت اس امر کی ہے کہ بلوچستان کو بہتر سے سمجھنے کی خاطر صوبے میں ذرائع ابلاغ کا دائرہ وسیع کیا جائے اور کوہٹہ کے علاوہ صوبے کے دیگر علاقوں کے مسائل کو مقامی افراد کی زبانی جگہ دی جائے۔ اس کے لیے لازمی ہے ملک کے بڑے میڈیا ادارے صوبے میں پیشہ وارانہ انداز میں سرمایہ لگاہیں جس کے زیر اہتماپ ہر ضلع میں قومی چینلز کے نماہندے تعینات کیے جاہیں جن کی صحیح معنوں میں تربیت کی جائے جس کے تحت وہ بھر پور طریقے سے اپنے علاقوں کی نماہندگی کرسکیں۔ جوں جوں مقامی نمائندوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور ان کی پیشہ وارانہ انداز میں تربیت ہوگی تب ہی صوبے کے مسائل طریقے سے قومی میڈیا میں اجاگر ہوں گے لیکن اس کے لیے یہ امر بھی لازمی ہے کہا خبار اور ٹی وی چینل مالکان بلوچستان کو کوئٹہ سمجھنا چھوڑ دیں اور اس کے تمام اضلاع کی باقاعدہ کوریج کا بندوبست کریں۔ جب یہ اقدامات اٹھائے جائیں گے تو یقیناً ملک کے دیگر حصوں میں بلوچستان کے متعلق آگاہی میں بہتری آئے گی۔

یہ مضمون خصوصی طور پر فرد میگزین کے لئے لکھا گیا ہے جس کے لئے ہم مصنف کے شکر گزار ہیں۔
مضمون سے متعلق مزید معلومات کیلئے رابطہ کیجیے:
info@individualland.com

طاقت جو ماند پڑ جائے

<از: انیق ظفر>

کیا آپ نے کبھی سوچا؟، رنڈن نے سوال کیا، 'کہ سات ماہ کی طویل جنگ کے بعد کویت کے شہریوں کے ہاتھوں میں امریکہ اور دوسرے اتحادی ملکوں کے جھنڈے کیسے نظر آئے؟' وہ کچھ دیر کو رکا۔ 'خیر، آپ جواب جانتے ہیں۔ اس وقت یہ میری نوکری کا حصہ تھا۔'

شاید یہ سب آپ پہلے بھی سن چکے ہوں گے، مگر حقیقت یہی ہے کہ معلومات کا ایک سمندر موجود ہے۔ معلومات کا یہ سمندر وقت کے ساتھ ساتھ اور ذرائع ابلاغ میں ترقی کے باعث پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میڈیا کے اثر میں اضافہ ہوا ہے۔ پہلے تو صرف اخبارات ہوتے تھے، پھر تار شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ریڈیو، ٹی وی اور اب انٹرنیٹ معلومات کا اہم ذریعہ بن چکا ہے۔

معاشرے اب معلومات اور رابطے کے ذریعے ترقی کر رہے ہیں۔ کام ہو یا تفریح، صحت، تعلیم، ذاتی رشتے، سیاحت یا کچھ اور، یہ سب چیزیں کسی نا کسی طرح ذرائع ابلاغ اور ان میں موجود پیغامات پر منحصر ہوتے ہیں۔

صبح اٹھتے ہی ہر شخص اخبار پڑھتا ہے یا ٹی وی دیکھتا ہے۔ حتا کہ ہماری روزمرہ کی فیصلہ سازی بھی دوستوں، ٹی وی، خبروں اور رشتہ داروں وغیرہ سے حاصل کردہ معلومات پر منحصر ہوتی ہے۔

ہمارے فیصلے، عقائد اور اقدار بھی اس معلومات پر مبنی ہوتے ہیں جسے ہم ایک حقیقت سمجھتے ہیں یا اپنے تجربے سے حاصل کرتے ہیں۔ اپنے کام کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ ہمارا تجربہ اور تعلیم ہمیں یہ سب جاننے کی صلاحیت فراہم کرتے ہیں، جبکہ عام زندگی میں ہم میڈیا اور اس سے حاصل کردہ معلومات سے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا چیز اہم ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

لہذا میڈیا کی طاقت کا سرچشمہ، وہ صلاحیت ہے جس سے یہ عوام کی آراء پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جیسا کہ کارپوریٹ سیکٹر اشتہارات کے ذریعے ہمارے زندگی گزارنے کے طریقے اور اصراف پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح میڈیا بھی اہم سیاسی آراء کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس پر تعلیمی اور تحقیق کے ادارے بھی نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

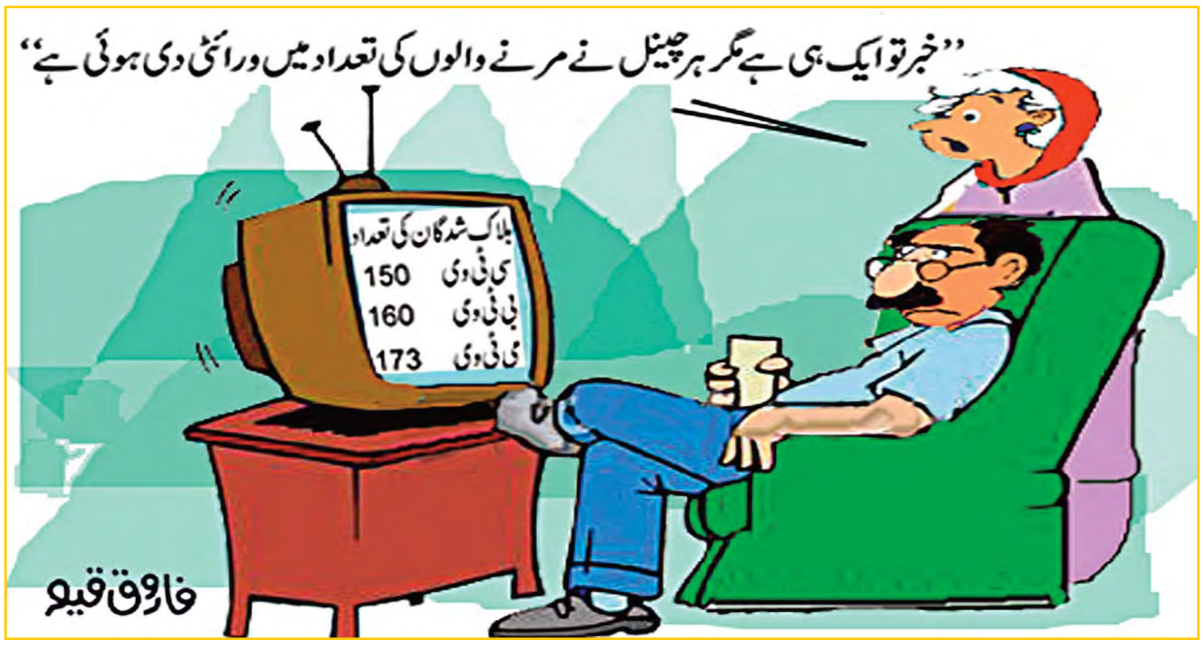

موجودہ وقت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اب جنگیں جغرافیائی حدوں سے ماوراء ہوگئی ہیں اور جیسا کہ ۱۹۹۰ کی خلیجی جنگ اور ۹/۱۱ کے واقعے سے ظاہر ہوا کہ جنگیں اب سمجھ اور ادراک کی بنیادوں پر لڑیں جارہی ہیں۔ سیاسی فیصلوں کی حمایت کے لئے عوامی آراء کو بدلنا بھی جنگ کی طرح خطرناک ہے، مگر اب یہ فوجی آپریشن کا اہم حصہ بن چکا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میڈیا اس قدر مضبوط ہو چکا ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے غیر ضروری اثرات کو روک سکتا ہے؟ یا پھر یہ بھی پراپگنڈا پھیلانے کا ایک ذریعہ ہے، جسے ہر کوئی اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

میڈیا پر سب سے زیادہ اثر انداز شاید ایک مملکت ہی ہوتی ہے۔ غیر جمہوری قوتیں طاقت کے ذریعے میڈیا پر دباوء ڈالتی ہیں جبکہ جمہوری حکومتیں ثقیف طریقوں کی مدد سے پیغام بنانے، اسے پھیلانے اور دہرانے کا کام لیتی ہیں۔ اس سے عوامی آراء اور خبروں میں ایک ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے۔

اکثر و بیشتر حکومتیں تجربہ کار افراد کی مدد سے ایسے حربے تیار کرتیں ہیں اور ایسے پیغامات پھیلاتی ہیں جس سے عوام کی آراء کو بدلا جا سکے۔ اس سے سانپ بھی مرجاتا ہے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹتی۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ کارپوریٹ سیکٹر اور اس کے مالکان میڈیا کے ذریعے عوامی آراء بدلنے کا فن نا صرف جانتی ہیں بلکہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔

براہ راست نشریات کے آغاز سے عوامی رابطے کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پیغام میں بھی تبدیلیاں آئی ہیں، جیسا کہ اب الفاظ سے زیادہ تصویر کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ آجکل کا میڈیا تصاویر اور جذبات کی تشہیر کرتا ہے۔ جس طرح جنگ، قدرتی آفات اور سیاسی مباحثے جہاں میڈیا کیلئے پریشانی یا توجہ کا باعث بنتے ہیں وہیں میڈیا کی آمدنی میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔

اور جب جنگ کی بات ہوتی ہے تو رابطے کے ماہرین اس صورتحال کا پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب ہر ملک کی فوج میں ایسے افراد کی موجودگی لازم ہوچکی ہے۔ جنگ میں تبدیلیوں کی پیشین گوئی کرنا اتنا آسان نہیں اور اسی وجہ سے صحافی بھی خطرات مول لینے کی بجائے ان افراد سے رابطے میں رہتے ہیں جو پل پل کی خبر ان تک پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ البتہ اب اس طریقہ کار میں کچھ تبدیلی آئی ہے اور فوجیں صحافیوں کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہیں تا کہ وہ ہر پل کی خبر جان سکیں۔

لہذا جو معلومات عوام تک پہنچتی ہے وہ انہی صحافیوں کے ذریعے پہنچتی ہے۔ کئی دفعہ صحافی حضرات جان بوجھ کر یا نا جانتے ہوئے بھی بہت سی ایسی معلومات اپنی خبروں میں شامل کر لیتے ہیں جو شاید سچ نہیں ہوتی مگر ایسا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

فوجوں میں موجود معلوماتی ماہرین کا کام کہانی کو ایک سمت فراہم کرنا ہے۔ باقی کہانی خود بخود ہی بنتی چلی جاتی ہے۔ یہ کہانی نا صرف سنسنی خیز ہوتی ہے بلکہ اس میں ایک فلم کی تمام خوبیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔

معلومات کو ترتیب دینے والے یہ ماہرین روز مرہ ہونے والے واقعات میں سنسنی کا عنصر ضرور ملاتے ہیں تا کہ یہ کہانی نا صرف بکے بلکہ لوگ اس کی صداقت پر بھی شک نا کریں۔

لہذا میڈیا یا معلوماتی ماہرین کے ہاتھوں میں ایک اوزار کی حیثیت رکھتا ہے جسے وہ اپنے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ جب رنڈن نے کویتیوں کے ہاتھوں میں امریکی اور دوسرے ممالک کے جھنڈوں کی بات کی تو وہ اپنی کہانی ختم کر رہا تھا۔ ہیرو جیت چکا تھا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری تھا۔ امریکہ میں جنہوں نے یہ تصاویر دیکھیں ان تک وہ پیغام پہنچ چکا تھا جسے معلوماتی ماہرین پہنچانا چاہ رہے تھے۔

یقیناً میڈیا کے پاس طاقت موجود ہے مگر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ طاقت آخر کون استعمال کرتا ہے اور کیا مملکت، کارپوریٹ اداروں اور دیگر گروپوں کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے؟

یہ مضمون خصوصی طور پر فرد میگزین کے لئے لکھا گیا ہے جس کے لئے ہم مصنف کے شکر گزار ہیں۔
مضمون سے متعلق مزید معلومات کیلئے رابطہ کیجیے:
info@individualland.com

لبرال نقطه نظر

انڈویجوئل لینڈ پاکستان نے پورے ملک میں میڈیا کے ساتھ کام کیا ہے اور اس دوران میڈیا کی طاقت کو پاکستان کے پیچیدہ معاشرے کے تناظر میں جاننے کی کوشش بھی کی ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں انسانی حقوق اور شخصی آزادی کو روزانہ خطرات کا سامنہ ہو، انڈویجوئل لینڈ ان تمام عناصر کی بڑھ چڑھ کر مذمت کرتا ہے جو میڈیا کا غلط استعمال کرتے ہیں۔

ہمارے ادارے کے ساتھیوں نے پانچ مضامین کے ذریعے اس لبرل نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے۔ ان میں شامل ہیں، میڈیا اور عوام، صحافت یا ادب عجلت میں، میڈیا کا ارتقاء اور معاشرتی تبدیلی، میڈیا اور معاشروں کی تشکیل اور عوام کی طاقت۔

ان مضامین کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ آخر میڈیا کیا پیغامات بھیج رہا ہے اور یہ پیغامات کیسے بھیجے جا رہے ہیں اور یہ عوام تک کیسے پہنچتے ہیں۔ کیا ذریعے کا پیغام کی نوعیت پر اثر ہوتا ہے؟ کیا پیغام لیجانے والا اس دوران اپنے لبرل یا دقیانوسی نقطہ نظر کو بھی اس پیغام کا حصہ بنا دیتا ہے؟ پھر اس پیغام کو ایک صارف کس طرح سمجھتا ہے؟ کیا یہ صرف ایک پیغام تھا یا اس کے کوئی پوشیدہ معنی بھی تھے؟

جب میڈیا آزاد ہوتا ہے تو اس سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں ہوتا۔ البتہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آخر میڈیا میں اس طاقت کا سرچشمہ کون ہے؟ وہ جو اس طاقت کا استعمال کرتے ہیں کیا وہ ریاستی اور کارپوریٹ سیکٹر کے دباوء کے سامنے جھک جاتے ہیں؟ کیا وہ ایسے سمجھوتے کرتے ہیں جن سے عوام کے سامنے میڈیا کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے؟

ہم تب تک ایک لبرل معاشرہ نہیں بن سکتے جب تک کہ ہم انفرادی حیثیت میں ایسی خبروں پر تشویش کا اظہار نا کریں جو ہماری آراء پر سمجھوتہ کرتی ہیں۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ افراد کی حیثیت سے ہماری آواز بھی اتنی ہی طاقت رکھتی ہے جتنا کہ میڈیا مالکان کی۔ ضرورت ہے تو ایک ایسے نظام کی جو دونوں جانب جانچ پڑتال کرے۔

صارفین اور میڈیا میں فرق ضرور موجود ہے۔ کمزور اور مظلوم افراد کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا ہے جبکہ امراء اور طاقتور افراد کو فوقیت دی جاتی ہے۔ توجہ طلب مسائل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہمارے ملک کا میڈیا مضبوط اور آزاد ہے مگر کیا اس نے صارفین کے درمیان فاصلے کم کئے ہیں یا انہیں اور بھی بڑھا دیا ہے؟

لبرل ادبیات اور ذمہ دار صحافت میڈیا کو مستند اور پرکشش بناتی ہیں۔ وہ جو میڈیا کے نقطہ نظر سے اختلاف رکھتے ہیں انہیں دوری اختیار کرنے کی بجائے میڈیا کا حصہ بننے کی ضرورت ہے۔ یہی تبدیلی کا واحد ذریعہ ہے۔

نظر انداز کرنے اور خاموشی اختیار کرنے سے مسائل اور بڑھ جائیں گے۔ ہمیں فعال صارفین کی طرح صرف سننے اور دیکھنے تک محدود نہیں رہنا بلکہ ذمہ داری سے اپنے کردار ادا کرنا ہوگا۔ ہمارے اور میڈیا کے درمیان ایک تعلق ضرور موجود ہے، آیئے اسے اور بہتر بنائیں۔

میڈیا اور معاشروں کی تشکیل

<از: ذوالفقار حیدر>

’ہم سب جو ذرائع ابلاغ یا میڈیا کو پیشہ ورانہ طور پر استعمال کرتے ہیں، وہ ایک معاشرے کو تشکیل دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ہم اسے عامیانہ اور وحشی بنا سکتے ہیں یا پھر اسے ایک اونچے مقام پر لے جا سکتے ہیں۔‘

[ولیم برن بیک، امریکن اڈورٹائزنگ ایگزیکوٹیو ۱۹۸۲-۱۹۱۱]

ولیم برن بیک کو اشتہارات یا ایڈورٹائزنگ کی دنیا کا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے پیشے کے حوالے سے جدید خیالات اور تصورات متعارف کروائے جو آج بھی بہت سی ایڈ ایجنسیوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ کہاوت سمجھنے میں آسان ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ میں اس سے اختلاف یا رضامندی ظاہر کروں، یہ جاننا ضروری ہے کہ آخر کون سی وجوہات ہیں جو میڈیا کو اس قدر قوت فراہم کرتی ہیں۔

یہ اقتباس میڈیا کے پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد کو ایک معاشرے کو تشکیل دینے کی طاقت سے منصوب کرتے ہیں۔ معاشرہ مختلف لوگوں کا امتزاج ہوتا ہے اور اس قدر مختلف افراد کے ذہنوں کو بدلنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی اور ارتقاء معاشرے کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

مائنڈ کنٹرول اب ایک سائنس کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ شروع میں یہ تجربات جنگی قیدیوں کو نظریاتی طور پر بدلنے کی خاطر استعمال کئے جاتے تھے۔ جب ان تجربات کی تاثیر اور اہمیت سامنے آئی تو انہیں بڑی سطح پر استعمال کرنے کا سوچا گیا۔ اسی طرح کا ایک تجربہ ’ہیلووین‘ کی رات کو کیا گیا۔ ہیلووین کا دن گرمیوں کے اختتام پر منایا جاتا ہے۔ ۱۹۳۸ کی ہیلووین کو رات مرکزی وقت کے مطابق ۸ بجے **ایچ جی ویلز کی کتاب وار آف دی ورلڈز** سے ماخوذ آرسن ویلز کی کہانی کو ریڈیو پر نشر کرنا شروع کیا گیا۔ اس کہانی کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ دس لاکھ سے زائد افراد نے یہ سمجھا کہ زمین واقعی ہی میں غیر زمینی مخلوق کے حملے کی زد میں آ گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس پروگرام کا اختتام سنے بغیر ہی پریشان ہو گئے، حالانکہ یہ سب ایک مذاق تھا۔ بعد ازاں **ہیڈلے کینٹرل** نے اپنی کتاب ’**دی ان ویئزن فرام مارس: آ سٹڈی ان دا سائکولوجی آف پینک**‘ میں اس واقعے کا ذکر کیا اور انسان اور ڈر کے تعلق کو ظاہر کیا۔

یہ تجربہ براڈ کاسٹ میڈیا کا ایک نیا زاویہ سامنے لایا۔ بہت سے میڈیا گروپ ایسے ہیں جو بڑی بڑی کارپوریٹ کمپنیوں کی طرز پر کام کرتے ہیں جیسا کہ ’اے اوایل ٹائم وارنر‘ گروپ ۲۹۲ کمپنیوں پر مشتمل ہے جس میں ٹی وی چینلز اور الیکٹرانک کمپنیاں شامل ہیں۔

اشتہارات میڈیا کے ایک پہلو کو اجاگر کرتے ہیں کہ وہ کیسے لوگوں کو مختلف اشیاء خریدنے پر مائل کرتے ہیں۔ پراپیگنڈہ ایک اور ذریعہ ہے جس سے میڈیا اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ عراق کی جنگ سے پہلے 'ویپنز آف ماس ڈسٹرکشن' کی اصطلاح میڈیا پر بہت زیادہ استعمال کی جارہی تھی۔ اس کی ایک واحد اور بڑی وجہ اس جنگ کے حق میں عوام کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ۲۰۰۵ کے زلزلوں میں آفٹر شاکس کی اصطلاح ہر کسی کی زبان پر تھی اور میڈیا والے سب سے خطرناک آفٹر شاک کی پیشین گوئیاں کر رہے تھے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

سابق صدر جنرل پرویز مشرف کو اقتدار سے ہٹانے میں میڈیا نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس کوشش میں وکلاء اور دیگر حلقوں نے بھی میڈیا کا بھرپور ساتھ دیا۔ کچھ عرصے بعد اسی میڈیا نے وکلاء کو 'وکلاء گردی' کے لقب سے نواز دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ میڈیا والوں کو وکلاء نے پیٹا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میڈیا زیادہ تر نظریہ ضرورت کے تحت کام کرتا ہے اور جب چاہے جسے چاہے کچھ بھی بنا سکتا ہے۔

بریکنگ نیوز کے چکر میں بہت سے چینلز قیاس آرائیاں بھی دل کھول کر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ۲۰۱۰ کے عاشورہ کے جلوس میں پھٹنے والے بم کو بغیر کسی تحقیق کے خودکش قرار دے دیا گیا، جبکہ بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ نسب شدہ بم تھا۔

خون، دھماکے اور بے ہودگی ہماری ٹی وی اسکرینوں پر عام ہو چکی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پیش آنے والے واقعہ، جس میں کچھ افراد کو خروٹ آباد میں قتل کر دیا گیا، ٹی وی پر ایسے دکھایا گیا جیسا کہ کسی فلم کا منظر ہو۔ ایسے مناظر کے عام ہونے سے لوگ غیر حساس ہو چکے ہیں اور آئے دن ہونے والی ہلاکتوں پر سرد مہری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس بیان سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ میڈیا وحشت اور دہشت پھیلا رہا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ ان مسائل کے خاتمے کے لئے بہتر کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں محض دہشتگردوں اور فوج کے درمیان تنازعہ نہیں ہے بلکہ فرقہ ورانہ اور نسلی دہشتگردی بھی بڑھتی جارہی ہے۔

میڈیا ان گروپوں کے درمیان تنازعات کو ختم کرنے میں ایک ثالث کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سیاسی شخصیات، مبصرین اور دیگر افراد کو مدعو کر کے مسائل کا حل تلاش کرنا اور عوام کو ان پروگراموں کا حصہ بنانا بھی میڈیا کے دائرہ کار میں آتا ہے۔

پرنٹ میڈیا یا اخبارات کو کل آبادی کا ایک خاص حصہ ہی پڑھتا ہے۔ جبکہ ٹی وی تو گھر بھر میں دیکھا جاتا ہے۔ معلومات کا ایک سیلاب ہمارے گھروں میں روز داخل ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ معلومات ہمارے معاشرے میں کوئی بہتری لا رہی ہیں یا نہیں؟

اس سوال کا جواب ڈھونڈنا آسان ہے۔ اپنے ٹی وی کے ریموٹ اٹھائیں اور چینلز تبدیل کر کے دیکھیں۔ یہ جاننا آسان ہو جائے گا کہ وہی پرانے چہرے ہر چینل پر اپنے گھسے پٹے تجزیے پیش کر رہے ہوتے ہیں اور اس سے معاشرے یا عوام کی بہتری کی کوئی امید نہیں۔

سوشل میڈیا بھی کرسی پر بیٹھے تجزیہ کاروں سے بھرا پڑا ہے۔ بغیر کسی تجربے اور علم کے یہ لوگ نوجوانوں کو اپنے اپنے سچ کی تبلیغ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

میڈیا گروپز بھی بغیر کسی ضابطہ اخلاق کے اپنے منافعوں میں اضافہ کرنے میں مصروف ہیں۔ آزاد، غیر جانبدار اور ذمہ دار میڈیا کا قیام ہمارے ملک میں موجود میڈیا چینلز کو ایک بہتر جانب لے کر جا سکتا ہے۔ مگر اس کوشش میں عوام اور میڈیا دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہوگا اور اس دوران بہت سی قربانیاں بھی دینا ہوں گی۔

اس کہاوت نے میڈیا کی طاقت کو بخوبی بیان کیا ہے۔ مگر میڈیا لوگوں کی بہتری میں بھی برابر کردار ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ میڈیا آزاد، غیر جانبدار اور ذمہ دار ہو۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:

info@individualland.com

عوام کی طاقت

<از: یحییٰ احمد>

’میڈیا کی طاقت نازک ہے۔عوام کی حمایت کے بغیر اسے اسطرح بند کیا جا سکتا ہے جیسے ایک لائٹ سوئچ کو بند کیا جاتا ہے۔‘
[فیلیپائن کے سابق وزیر اعظم کورازون ایکوینو]

جس وقت یہ آرٹیکل لکھا جا رہا ہے، روپرٹ مرڈوک کی سلطنت زوال پزیر ہے۔دنیا کا سب سے مضبوط اور بااثر نیوز گروپ جو بحر اوقیانوس کے دونوں جانب بہت سے اخبارات اور نیوز چینلوں کو کنٹرول کرتا تھا، آج اپنے ہی اعمال کی بناء پر شکست کھا چکا ہے۔ایک جمہوری اور آزاد معاشرے میں میڈیا کا کام عوام کو معلومات فراہم کرنا ہے تا کہ وہ اچھے فیصلے کر سکیں۔یہاں جس نیوز گروپ کا ذکر کیا گیا اسے سب ’نیوز کارپ‘ کے نام سے پہچانتے ہیں اور اس کا کام میڈیا کے فرائض کے بالکل متضاد تھا۔اس صورتحال سے یہ اخز کیا جا سکتا ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں میڈیا عوام کو جوابدہ ہوتا ہے اور جب یہ اپنی حد سے باہر جانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنی طاقت کھو دیتا ہے۔فیلیپائن کے سابق وزیر اعظم کورازون ایکوینو نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ’میڈیا کی طاقت نازک ہے۔عوام کی حمایت کے بغیر اسے اسطرح بند کیا جا سکتا ہے جیسے ایک لائٹ سوئچ کو بند کیا جاتا ہے۔‘

میڈیا کی سب سے بڑی حد بندی یہ ہے کہ وہ محز مسائل کو بیان کرتا ہے۔عوام ہی متحرک ہو کر میڈیا کے ذریعے اپنی آواز آگے پہنچاتے ہیں۔مشرق وسطی میں لیبیا، تیونس، مصر اور شام میں آنے والے انقلاب سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عوام اور میڈیا کے تعاون کو کیسے ختم کیا گیا۔عوام کو سچ جاننے کا موقع نہیں دیا گیا اور میڈیا کو آزادی سے کام نہیں کرنے دیا گیا۔سوشل میڈیا جیسے کہ فیس بک نے مصر میں حوسنی مبارک کے اقتدار کو ختم کرنے میں اہم قردار ادا کیا۔اسی میڈیا کے ذریعے عوام اپنے مسائل صاحب اقتدار تک پہنچاتے ہیں۔عوام کا تعاون میڈیا کو ان کے سامنے جوابدہ بناتا ہے اور ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔عوام کو میڈیا کی بیان کردہ حقیقت سے نتائج اخز کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

پاکستان میں پچھلی ایک دہائی کے دوان میڈیا کا انقلاب برپا ہوا ہے، خاصطور پر الیکٹرانک میڈیا میں۔بہت سے نئے ٹی وی اور ریڈیو چینلز کا آغاز ہو چکا ہے اور انٹرنیٹ کے استعمال میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے، اور ساتھ ہی اخبارات کو بھی آزادی رائے کا حق حاصل ہوا ہے۔عوام کے پاس معلومات حاصل کرنے کی آزادی ہے۔بدقسمتی سے میڈیا اپنے آپ کو عوامی طاقت سمجھنے لگا ہے۔یہ وہی غلطی ہے جو نیوز کارپ سے ہوئی اور ان کا انجام سب کے سامنے

Source: http://nodirectionhome-mattc.blogspot.com

ہے۔معلومات کے آزادانہ بہاو کی بجائے، میڈیا اپنے نظریات کو فروغ دیتا ہے اور عوام کی آراء پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔اسی وجہ سے غیر ذمہ رانہ صحافت کو بھی فروغ ملا ہے اور اسی لئے خبریں سنسنی خیز اور حقیقت سے متضاد ہوتی ہیں۔کراس میڈیا اونرشپ کی وجہ سے میڈیا گروپ اب ہما وقت بہت سے اخبارات اور ٹی وی چینلز کے مالک ہوتے ہیں، اور اپنی آراء کو آزادی سے فروغ دیتے ہیں۔کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ پاکستانی میڈیا غیر ضروری تشہیر کا مرکز بن چکا ہے۔

جمہوریت میں اصل طاقت عوام کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔میڈیا اور عوام کا تعلق بھی کچھ اسی طرح ہونا چاہیے۔اسے عوام کی آراء پر اثر انداز ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں، اور اپنے آپ کو حقیقت بیان کرنے تک محدود رکھنا چاہیے۔جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور میڈیا ہمیشہ کسی نا کسی بریکنگ نیوز کی تلاش میں ہوتا ہے۔لحاظہ اگر میڈیا میں اسی طرح ذمہ داری کا فقدان رہا تو یہ اپنی طاقت اور ثقابت کھو دے گا۔کسی بھی خبر میں چند الفاظ کے اضافے سے

میڈیا جب چاہے، جیسے چاہے کی بنیاد پر اپنے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ اس حقیقت کا صحیح اندازہ تب ہوتا جب ہم ایک خاص نیوز گروپ کو کل عدم جماعتوں کی حمایت میں بولتا دیکھتے ہیں۔ یا پھر پچھلے دنوں ایک نیوز گروپ نے اپنے ایک چینل پر بین لگنے کے بعد جب حکومت کے خلاف مہم کا آغاز کیا تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ میڈیا کیسے اپنے ایجنڈہ کو فروغ دیتا ہے۔ جب ایک صارف کو مسخ شدہ حقیقت کا سامنہ ہو تو پورے معاشرے میں الجھاوء پیدا ہو جاتا ہے۔

عوام کا یہ فرض ہے کہ میڈیا کو رہنمائی فراہم کرے مگر پاکستان میں اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ عوام کا یہ فرض ہے کہ میڈیا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے رہیں۔ انہیں میڈیا کو یہ باور کروانا چاہیے کہ کاروبار اور عوامی مفاد کے درمیان ایک توازن برقرار رکھنا ضروری ہے۔ عوام کو میڈیا کے ہم آہنگ رہ کر ایک دوسرے سے سیکھنا چاہیے اور اس سلسلے میں عوام آگے آئیں اور فرداً یا گروہ کی صورت میں میڈیا سے ربط پیدا کریں۔

ذمہ داری اور آزادی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جیسا کہ یہ میڈیا کا فرض ہے کہ وہ حقیقت کو بیان کرے اور قیاس آرائیوں سے دور رہے۔ اسی طرح عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی بھی غلطی کی صورت میں میڈیا پر نظر رکھے اور اسے اپنی غلطی کا احساس دلائے۔ عوام اور میڈیا کے تعاون کی سب سے اہم مثال عدلیہ کی آزادی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ میڈیا نے اس مسئلے کو اوپر لانے میں ایک کلیدی قرار ادا کیا، جبکہ باقی کا کام عوام نے خود متحرک ہو کر کیا۔

آجکل کے دور میں معلومات کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ نیوز میڈیا ہے۔ سیاست، بین الاقوامی اور عوامی مسائل کو سامنے لانے کا کام میڈیا کا ہے۔ میڈیا عوامی مسائل کو صاحب اقتدار کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جمہوریت ہی میڈیا کی آزادی کو یقینی بناتی ہے۔ میڈیا تب ہی ٹھیک سمجھا جاتا ہے جب اسے عوام کی حمایت حاصل ہو۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:

info@individualland.com

Courtesy: UPI/Hugo Philpott

میڈیا کا ارتقاء اور معاشرتی تبدیلی

<از: مہر خان>

'معاشروں کی تبدیلی میں میڈیا کی ساخت کا کردار، اس میں استعمال ہونے والے پیغام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔'
مارشل مک لوہن

اس قول کی حمایت میں بہترین مثال عرب دنیا میں ملٹری اور کئی سالوں اقتدار پر قابض دیگر حکومتوں کے خلاف آنے والے انقلاب ہیں۔ فیس بک، جو سوشل میڈیا کی ایک عمدہ مثال ہے، نے حوسنی مبارک کے اقتدار کا تختہ الٹنے میں کلیدی قردار ادا کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ انقلابی لہر دیگر عرب ملکوں میں بھی محسوس ہونے لگی۔

مارشل مک لوہن نے کہا تھا کہ 'معاشروں کی تبدیلی میں میڈیا کی ساخت کا کردار، اس میں استعمال ہونے والے پیغام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ خاص اہمیت کی حامل اس شخصیت کی شہرت کی وجہ دو کتابیں ہیں، 'میڈیا کی سمجھ' اور 'دا گوٹنبرگ گیلیکسی'۔ انہوں نے ان کتابوں کے میں چونکا دینے والی تھیوریز کے ذریعے اپنے چاہنے والوں میں اضافہ کیا۔ ان کی تحریر 'میکانکی دلہن' میڈیا، فلموں، ریڈیو اور پریس کے ذریعے عوام پر بڑھنے والے نفسیاتی اور معاشرتی دباوء کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔

یہ آرٹیکل مک لوہن کی تھیوری کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے کہ انسان اور معاشرے پر تمام میڈیا اثر انداز ہوتا ہے، اس سے بے خبر کہ اس میں موجود پیغامات کیا کہتے ہیں۔

میں مک لوہن سے اتفاق کرتی ہوں کہ میڈیا جسے انسان کی توسیع کہا جائے تو غلط نا ہوگا، اس پر اور اس کی معاشرت پر گہرا اثر رکھتا ہے اور اس کے ماحول میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ مگر میڈیا کے نفسیاتی اور معاشرتی اثرات کے بارے میں مکمل معلومات موجود نہیں ہیں۔ مگر انسانی بقاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی تبدیلی کے بارے میں جانے بے شک اس میں اسے مشکلات کا سامنا ہی کیوں نا کرنا پڑے۔ یہ احساس کہ ہم جدت کے اس دور میں کچھ خاص ترقی نہیں کر سکے، ہماری پریشانی میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ میڈیا سے حاصل کردہ آگاہی نے ہمیں یہ جاننے کی صلاحیت فراہم کی ہے

http://www.bing.com/images/search?q=media+medium+and+societies&view=detail
id=2734B33D18BBA94DADD83379540BE967FEA70637&first=0&
FORM=IDFRIR

کہ ٹیکنالوجی انسانی جبلت کا ہی نتیجہ ہے اور وہ جتنا بھی چاہے اس سے فرار حاصل نہیں کر سکتا۔

ہمیں میڈیا کے پیغامات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جا سکیں۔

میڈیا صارفین کی حیثیت سے ہم اس حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں کہ میڈیا ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا ہے۔ ہم میڈیا، اس کی ساخت اور اس سے ذریعے بھیجے جانے والے پیغامات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میڈیا کیسے ہمارے حواس پر اثر انداز ہوتا ہے، ہم جب تک یہ جاننے میں کامیاب ہوتے ہیں، تب تک وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

ماضی میں میڈیا میں ہونے والی تبدیلیاں اس قدر تیز نہیں تھیں اور اسی لئے اس کو سمجھنے میں آسانی بھی رہی۔ چونکہ ٹی وی چینلز کی تعداد کم تھی اسی لئے ان کو سمجھنا آسان تھا۔ البتہ اس زمانے میں میڈیا میں ہونے والی تبدیلی اس قدر تیز ہے کہ نا صرف اس نے ہمارے ماحول میں تبدیلی پیدا کی ہے بلکہ ہماری اقدار اور روایات میں بھی ایک تبدیلی کافی نمایاں ہے۔

ہماری ٹی وی اسکرینز پر سینکڑوں چینلز خبروں، تفریحی پروگراموں اور ڈاکیومنٹریز کے ذریعے کئی زبانوں میں ہم پر معلومات برسا رہے ہیں۔ معلومات کا یہ بہاو انسان کو خوفزدہ کر دیتا ہے اور اس سے بچاو کا واحد ذریعہ میڈیا کے محرکات کو سمجھنا ہے۔ اگر ہم میڈیا کی انقلابی قوت کو جاننے میں کامیاب ہو جائیں گے تو شاید ہم اس پر کنٹرول بھی کر سکیں ورنہ یہ کام مشکل ترین ہوتا جائے گا۔

الیکٹرانک میڈیا ثقافتوں اور ماحولیات کو ملانے کی ایک کوشش ہے اور اپنی بہت سی اقدار پرنٹ میڈیا سے حاصل کرتا ہے۔ پرنٹ میڈیا ۱۵۰۰ سے ۱۹۰۰ عیسویں تک فیشن میں رہا مگر ٹیلی گراف نے آتے ہی گویا اس کی موت کی خبر سنا دی۔ ٹیلی فون، ٹی وی، ریڈیو وغیرہ کی آمد سے پرنٹ میڈیا کی شہرت میں مزید کمی واقع ہوئی۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ آج کل معلومات کے اولین ذرائع ہیں اور دنیا بھر میں تمام معاشروں تک رسائی کے باعث صارفین کے حساس شعور کو مختلف پیغامات کے ذریعے تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ الیکٹرانک میڈیا کے بہت سے پہلو ہیں مگر موجودہ وقت میں 'بلاگوسفیئر' ایس ایم ایس وغیرہ کی اہمیت اور قابلیت کو درگزر کرنا درست نا ہوگا۔

یہ کہنا کہ میڈیا میں موجود پیغامات کی اہمیت اس کی ساخت سے زیادہ ہے، بالکل درست نہیں ہوگا۔ ان پیغامات کا ایک خاص کردار ضرور ہے مگر یہ میڈیا کی ساخت کے ثانی ہے۔ اگر ہم نئے میڈیا اور اس کی ساخت پر غور نہیں کریں گے تو شاید ہم نئی ٹیکنالوجی کے انسان پر اثرات کو سمجھنے سے بھی قاصر رہیں۔

میڈیا نے نا صرف عام زندگی بلکہ سیاسی زندگی میں بھی تبدیلیاں برپا کی ہیں۔ مثال کے طور پر ایم کیو ایم ایک ایسی سیاسی جماعت ہے جو میڈیا کے استعمال کے ذریعے اپنے حلقے سے تعلق بنائے ہوئے ہے۔ اس جماعت کے قائد بیرون ملک ہونے کے باوجود ٹیلی فون یا کمپیوٹر کے ذریعے عوام سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ گویا اس جماعت نے میڈیا کے استعمال کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔

یہ دور معلومات کی فراوانی کا دور ہے، بلکہ یہ فراوانی اب انسانی سمجھ سے بالاتر ہوتی جا رہی ہے۔ پاکستان میں نوجوان کل آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں جو ہر وقت نئے میڈیا کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔ یہ نوجوان کافی اکتائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ نئے میڈیا نے انہیں اپنا غصہ نکالنے کا ایک ذریعہ فراہم کیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ تضاد، کرپشن اور دیگر غیر منصفانہ روایات بھی ان کی راہ کی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

الیکٹرانک ٹیکنالوجی میں تبدیلی اور ترقی کے باعث ایک بکھرا ہوا انسان اب پہلے سے کہیں زیادہ آگاہ ہے۔ پرنٹ میڈیا کے دور میں انسان کافی حد تک بٹا ہوا تھا مگر فیس بک اور ٹوئٹر جیسی سوشل میڈیا ویب سائٹس نے ایک معاشرتی انقلاب برپا کر دیا ہے۔ کمپیوٹرز اور جدید ٹیکنالوجی اب بین الاقوامی ٹیلی پیتھی کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ کمپیوٹرز اب ہر زبان اور کوڈ کو سمجھنے میں ہماری مدد کر رہا ہے۔ اس سے نا صرف انسانی رابطوں میں آسانی آئی ہے بلکہ پوری دنیا ہم آہنگی کی ایک مثال پیش کر رہی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ موجود انسان کی معاشرتی اقدار، الیکٹرانک میڈیا اور جدت کی نظر ہو جائیں۔ اور شاید تبدیلی کا یہ عمل شروع ہو چکا ہے۔ ہمارے شہر چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں اور انفارمیشن سسٹمز کی شکل اختیار کرتے ہوئے گلوبل ویلیج میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

کمپیوٹرز نے انسانی شعور کو اجاگر کیا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کو انسانی فلاح کے لئے استعمال کرتے ہوئے معاشروں کی بہتری ممکن ہو رہی ہے۔ اور جیسے ہم نے دنیا کی معاشیات میں توازن برقرار کرنے کا گر سیکھا ہے اسی طرح اب یہ ممکن ہے کہ دنیا کے جذباتی ماحول کو بھی بہتر بنایا جا سکے۔ اگلی مرتبہ جب آپ ٹی وی اسکرین کے سامنے بیٹھیں یا کوئی کتاب پڑھیں، تو یہ یاد رکھیں کہ میڈیا کے صارفین کی حیثیت سے ہم یہ تمام معلومات نا چاہتے ہوئے بھی اپنے دماغ میں جذب کر رہے ہوں گے اور اس سے بچنے کا واحد راستہ کسی غار میں پناہ لینے سے ہی ممکن ہوگا۔ انسان اپنی ہی بنائی ہوئی ٹیکنالوجی کے بدلاو سے اپنے آپ کو مسلسل تبدیل کر رہا ہے۔ لبرلز کی حیثیت سے ہمیں بدلتی ہوئی میڈیا ٹیکنالوجی کو تسلیم کرنا ہوگا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ مختلف میڈیا اور ان کی حد بندیوں کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:
info@individualland.com

صحافت یا ادب عجلت میں

<از: خرم سلیم>

’صحافت عجلت میں کیا ہوا ادب ہے۔‘

[میتھیو آرنلڈ - اٹھارویں صدی کے مشہور شاعر اور ثقافتی تنقید نگار]

کیا آپ صحافت کو ادب سے الجھا سکتے ہیں؟ دونوں ہی تحریر کی اقسام ہیں۔ تصور کیجیے کہ شیکسپیئر ’دا نیویارک ٹائمز‘ یا ’گارڈیئن‘ کیلئے اسامہ بن لادن کی موت کی خبر پر تحقیق کر رہا ہو۔ اس بات کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اخبار کا مسئلہ یہ نہیں کہ خبر 200 صفحات پر مبنی ہوگی اور اس کے چھپنے میں کافی وقت درکار ہوگا۔ مسئلہ تو یہ ہوگا کہ جب تک یہ خبر چھپے گی تب تک شاید اسامہ کی موت ایک پرانی بات ہو چکی ہوگی اور ابامہ کے بیٹے کی پیدائش کی باتیں ہو رہی ہوں گی۔

اٹھارویں صدی میں جناب میتھیو آرنلڈ نے بالکل درست کہا کہ ’صحافت عجلت میں کیا ہوا ادب ہے‘۔ ایک نظر میں شاید یہ تحریر کسی بھی دوسری تحریر جیسی لگے، مگر غور کرنے پر یہ ہمیں آجکل کی صحافت کے بارے میں چند حقائق سے روشناس کرواتی ہے۔ جیسا کہ کیا صحافیوں کو خبروں پر فوراً ردعمل ظاہر کرنا چاہیے یا اس پر تفصیلاً غور کرنا چاہیے؟

صحافت واقعی میں ایسا ادب ہے جو جلدی میں لکھا جاتا ہے کیونکہ صحافت یہ تقاضا کرتی ہے کہ حالات اور واقعات کو جلد از جلد بغیر وقت ضائع کئے عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ صحافی کا کام نہیں کہ وہ انسانی تخیل اور سوچ کی گہرائیوں کا ذکر اپنی تحریروں میں کرے۔ اس کام کے لئے فلسفی، صاحب فکر اور ناقدین ہر معاشرے میں موجود ہوتے ہیں۔ اس کے لئے اخبارات میں شائع ہونے والی حقیقتوں کو سمجھنا اور جاننا ضروری ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک صحافی کو اس کے پیشے سے متعلق درپیش خطرات کو جاننا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ صحافی کا فلسفے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب دنیا بھر میں کہیں بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے، جیسا کہ قتل عام، پانی کی کمی یا پھر جوہری مادے کا لیک ہونا وغیرہ تو لوگوں کو اس قتل عام کے فلسفے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ انہیں محض اس بات سے دلچسپی ہوتی ہے کہ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا، اس کے نتائج کیا ہوں گے اور ان کی زندگیوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ جب ان سب سوالوں کے جوابات حاصل ہو جاتے ہیں تو دنیا آگے چل پڑتی ہے، اور پھر اسی طرح چند سوالات نمودار ہوتے ہیں اور ان کے جوابات ڈھونڈے جاتے ہیں، شاید یہی دنیا کا اصول ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے۔

جہاں تک ادب کا تعلق ہے، تو یہ کہنا غلط نا ہوگا کہ اعلیٰ پائے کے ادیبوں کو پڑھتے وقت یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے وقت رک سا گیا ہو۔ میرا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایک انسان ایک نرم دہ کرسی پر، آگ کے سامنے بیٹھ کر ٹالسٹائے کی ’جنگ اور امن‘ یا غالب کا دیوان پڑھ رہا ہو تو واقعی پڑھنے والا اپنے آپ کو اس وقت میں تصور کر سکتا ہے۔ اس میں یقیناً کوئی جادو نہیں، مگر انداز بیان ہی اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ پڑھنے والا کھو جاتا ہے۔

یہ پر مغز تحریریں اس لئے کمال رکھتی ہیں کہ انہیں لکھنے والے کو کیوں، کہاں اور کیسے جیسے سوالات کے جواب نہیں دینے ہوتے اور نا ہی کسی ایڈیٹر کا خوف ان کے ذہنوں پر منڈلا رہا ہوتا ہے۔ یہ ادیب وہ تحریر کرتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں اور پھر انہیں اپنے الفاظ کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اگر ایک صحافی اپنا کام وقت پر جمع نا کروائے تو وہ جانتا ہے کہ اڈیٹر اس کا کیا حال کرے گا۔

ادب میں کئی مقامات پر حقیقت اور کہانی میں فرق اتنا واضح نہیں رہتا۔ جبکہ ایک صحافی کا اس فرق کو برقرار رکھنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ وقت کی پابندی اور کارکردگی جیسے مسائل کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ ایک صحافی کا یہ فرض ہے کہ وہ سچائی کا دامن تھامے رکھے اور غیر جانبدار رہتے ہوئے سچ کو عوام تک پہنچائے۔ شاید اوپر بیان کردہ مثال کہ 'صحافت ایسے ہے جیسے ادب جلدی میں' ان صحافیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتی ہے جو حقیقت اور کہانی میں فرق کئے بغیر خبریں شائع کرتے رہتے ہیں۔

ایک صحافی کا دائرہ کار حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اسے حالات حاضرہ اور حالیہ واقعات کے علاوہ رپورٹنگ نہیں کرنی چاہیے۔ صحافت اور سچائی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ جس مسئلے پر بات کرنا چاہ رہا ہے اس کا حل بھی حقیقی اور سچ پر مبنی ہونا چاہیے۔ صحافی کا غیر جانبدار ہونا نہایت اہم ہے کیونکہ اگر اسے معاشرے میں تبدیلی کا عنصر بننا ہے تو حقیقت بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ ٹیکنالوجی کی جدت نے کروڑوں لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ میڈیا کی آزادی اسے غلط اور جھوٹی خبریں چھاپنے کی آزادی دیتی ہے۔ بہت دفع ایسا ہوا کہ صحافی حضرات اپنے ادارے کے فروغ کی خاطر غلط خبریں چھاپتے ہیں، جس سے اس پیشے کے تاثر کو نقصان پہنچتا ہے۔ میڈیا کا آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ ذمہ دار ہونا بھی اہم ہے تاکہ حقیقت اور کہانی میں فرق واضح رہے۔

ادب اور صحافت میں فرق برقرار رکھنا بہت ضروری ہے۔ ادب نے کئی صدیوں میں شعراء اور ادیبوں کی محنت کے باعث موجودہ مقام حاصل کیا ہے۔ اور اسی طرح صحافت نے بھی وقت کے ساتھ ساتھ عوام کے مسائل کو ایک آواز مہیا کی ہے۔ صحافت اور ادب کو ایک سکے کے دو رخ کہا جائے تو غلط نا ہو گا، مگر ان دونوں رخوں کا الگ رہنا بہت ضروری ہے۔ اگر صحافت جھوٹ اور فریب پر مبنی واقعات کو فروغ دینا شروع کر دے تو وہ یقیناً ادب کی ایک گری ہوئی قسم بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی بناء پر دونوں میں فرق رکھنا نہایت ضروری ہے۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:

info@individualland.com

میڈیا اور عوام

<از: اعتصام وحید>

'میڈیا سے نفرت نا کریں، میڈیا بن کر دیکھیں'
[جیلو بیافرا۔ امریکی موسیقار اور گرین پارٹی کی نمایاں شخصیت]

ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہاں مختلف نوعیت کے پیغامات موجود ہیں۔ ہمارے چینلز اور ان کے ذریعے بھیجے جانے والے پیغامات ہماری زندگیوں کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ میڈیا محض تصویروں اور معلومات کے تبادلے کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ میڈیا بہت زیادہ طاقت کا حامل ہے۔ اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ ایک صارف اپنی روزمرہ کی زندگی میں میڈیا کی طاقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر میڈیا کی طاقت کس کے ہاتھ میں ہے۔ میرے خیال میں یہ طاقت ایک صارف ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ میڈیا کا سب سے زیادہ اثر بھی ایک صارف پر ہی ہوتا ہے۔

جیلو بیافرا کی یہ کہاوت کہ 'میڈیا سے نفرت نا کریں، میڈیا بن کر دیکھیں' بیان کردہ اس مسئلے کا حل تجویز کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ یہ کہاوت میڈیا اور صارفین کے درمیان موجود طاقت کے رشتے پر زور دیتا ہے۔ اس کو جیلو بیافرا نے سب سے پہلے ۲۰۰۰ میں یونائیٹڈ اسٹیٹس گرین پارٹی سے خطاب کرتے ہوئے استعمال کیا اور عوام پر زور دیا کہ وہ میڈیا سے نفرت کرنے بجائے اس کا حصہ بن کر دیکھیں۔

بیافرا نے اس کہاوت کا استعمال اس وقت کیا جب سڈنی آسٹریلیا میں میڈیا کے سرگرم نمائندے ایک ایکٹیوسافٹ ویئر کی لانچ پر موجود تھے۔ اس سافٹ ویئر سے **انڈی میڈیا** کی پہلی ویب سائٹ سامنے آئی۔ اس کا مقصد ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے خلاف ہونے والے احتجاج کو منظر عام پر لانا بھی تھا۔ اسی دوران سیٹیل میں ہنگامے بھی ہوئے، خاصطور پر جہاں یہ میٹنگ ہو رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ لاکھوں لوگوں نے اس نئی ویب سائٹ پر جانا شروع کر دیا اور ایک اندازے کے مطابق، پہلے ہفتے میں اس ویب سائٹ کو سب سے زیادہ لوگوں نے دیکھا۔ اور ایک اور محتاط اندازے کے مطابق یہ ویزٹرز کسی بھی دوسری میڈیا ویب سائٹ سے کہیں زیادہ تھے۔ دس سال بعد انڈی میڈیا کی پوری دنیا میں ۱۵۰ سے زائد شاخیں بن چکیں ہیں۔ یہ ویب سائٹ جواب ایک عالمی مظہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اس کہاوت سے شروع ہوا کہ 'میڈیا سے نفرت نا کریں، میڈیا بن کر دیکھیں'۔ خواہ کوئی اس کہاوت سے اتفاق کرے یا نہیں، اس کا مقصد میڈیا کیلئے ایک صارف کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

یہاں پر میڈیا کو دو مختلف زاویوں سے دیکھنا لازمی ہے، یعنی کہ میڈیا پروڈکشن اور میڈیا ریسپشن۔ یہ دونوں الفاظ یا عوامل الگ نظر آتے ہیں مگر ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس تعلق کو برقرار رکھنے میں ایک صارف کا کردار کافی اہم ہے۔ البتہ پاکستانی میڈیا کی مثال اس کہاوت کے عین متضاد ہے۔ یہاں کے میڈیا نے کبھی بھی ایک صارف کو اہمیت نہیں دی اور اس کی خواہشات کا احترام نہیں کیا۔ اسی لئے صارفین کے لئے خود سے متحرک ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔

بیافرا کی یہ کہاوت میڈیا اور صارفین کے درمیان موجود اس تعلق کو بالکل صحیح لفظوں میں بیان کرتا ہے۔ اسی لئے ایک صارف کے لئے ضروری ہے کہ وہ میڈیا کو ایک آلے کی حیثیت سے استعمال کرے نا کہ میڈیا اسے ایک آلہ سمجھ لے۔ اٹھاراں کروڑ پاکستانی عوام بھی صارفین کی حیثیت سے ایک طاقت رکھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ میڈیا بننے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔

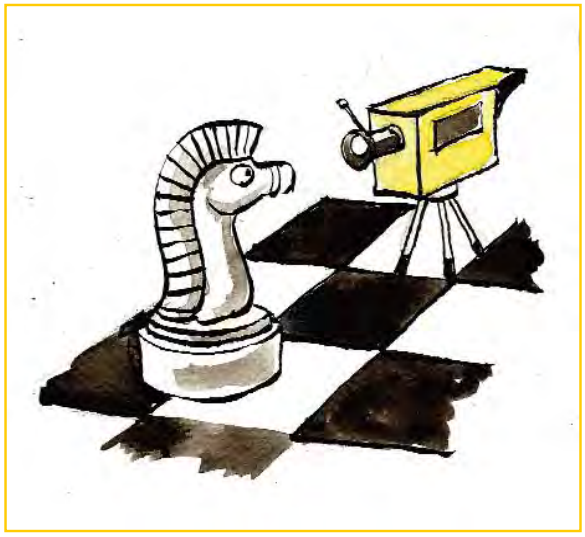

میڈیا نے پچھلے چند سالوں میں خوب ترقی کی ہے، مگر اس ترقی کے ساتھ ساتھ ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے۔ ہماری عوام کا ایک بڑا حصہ میڈیا کے حوالے سے زیادہ شعور نہیں رکھتا۔ ان میں سے زیادہ تر میڈیا پر چلنے والے پروگراموں میں موجود پیغامات اور مواد سے خوش نہیں ہوتے۔ مگر انہیں اس حوالے سے یہ علم نہیں ہوتا کہ اس مسئلے کو حل کیسے کیا جائے۔ میڈیا کے حوالے سے شعور کو اجاگر کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں میں متعلقہ کورسس متعارف کروائے جائیں۔ صارفین کو ان کے فرائض اور طاقتوں کے حوالے سے پورا علم ہونا چاہیے۔ اس اقدام سے یقیناً آنے والی نسلوں کو خوب فائدہ پہنچے گا۔

میڈیا کے پھیلاو کے ساتھ ساتھ اسے بہت زیادہ تنقید کا بھی سامنہ کرنا پڑ رہا ہے۔ البتہ تنقید برائے تنقید کرنا آسان ہے اور بہتری لانا مشکل ہے۔ اسی لئے صارفین کو آگے آ کر میڈیا کو احساس دلانا ہوگا کہ وہ بھی اتنے ہی ضروری ہیں جتنا کہ میڈیا۔

چینل بدل دینے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ صارفین غیر اخلاقی مواد پر نظر رکھیں اور ایسی صورت میں چینل کو فون کریں اور یہ باور کروائیں

کے اس چینل پر چلنے والا مواد اخلاقی لحاظ سے درست نہیں۔ بجائے اس کے میڈیا عوام کو بیوقوف بناتا رہے، عوام کو اس عمل کو روکنا ہوگا اور چند اہم قدم اٹھانا ہوں گے۔

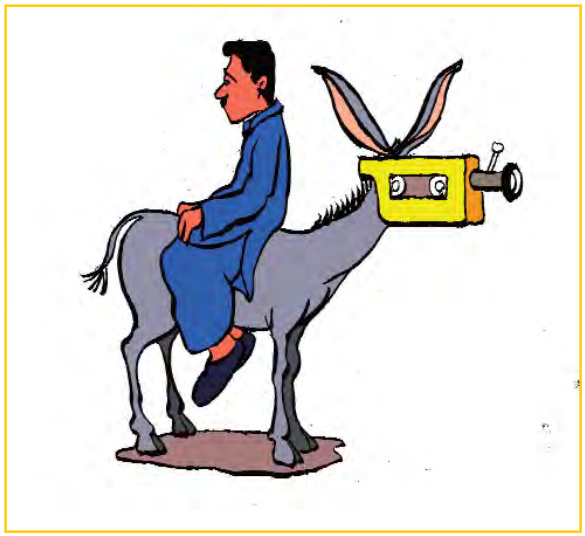

میڈیا صارفین کی طاقت کی ایک بہترین مثال چند سال پہلے بننے والے ضابطہ اخلاق کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اس ضابطہ اخلاق کی منظوری میں میڈیا پریشر گروپوں اور عوام کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ عوام کو شکایت یہ تھی کہ دہشتگردی کے واقعات کو ذمہ داری کے ساتھ رپورٹ کیا جائے۔ کیونکہ نا صرف اس سے دہشتگردوں کو فروغ ملتا ہے بلکہ عوام کو کئی دفع ایسے مناظر دیکھنے پڑتے ہیں جن کے اثرات لمبے عرصے تک ان کے ذہنوں پر رہتے ہیں۔ رپورٹنگ میں تاخیر سے اسکی فوٹیج کو ایڈٹ کرنے کا موقع مل جاتا ہے تاکہ نا تو دہشتگردوں کو غیر ضروری کوریج ملے اور نا ہی لوگوں کو تکلیف پہنچے۔

اس سلسلے میں واحد حل میڈیا کے حوالے سے شعور اجاگر کرنا اور میڈیا اور عوام کے مابین گروپوں کی تشکیل ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ عوام کو ہوگا جو اپنی مرضی کے مطابق مختلف چینلز پر چلنے والے مواد کو دیکھ سکے گی، تاکہ آنے والی نسلیں اس حوالے سے اعتدال پسند چینلز دیکھ اور سن سکیں۔

یہ یاد رکھیں کہ اگر صارف متحرک نہیں ہوئے تو میڈیا ہمیشہ ان کی خواہشات کے خلاف خبریں چھاپے گا اور دکھائے گا۔ عوام کی شمولیت بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ثابت ہوتی ہے اور اس طاقت کے توازن میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:

info@individualland.com

قارئین کی آراء

یہ مضمون فرد میگزین کے مئی ۲۰۱۱ کے شمارے جس کا عنوان **میڈیا اور تضاد** تھا کے بارے میں حاصل ہونے والی قارئین کی آراء پر مشتمل ہے۔

یاداشتیں

<از: مسرت اللہ جان>

زندگی میں کچھ لمحات ایسے بھی آتے ہیں جب انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ ہماری حیثیت اس دنیا میں ایک ذرے سے بھی کم ہے اور ہم جتنا اپنے آپ کو سمجھتے ہیں وہ ہماری اپنی سوچ ہے - اپنی صحافتی زندگی میں کچھ ایسے واقعات میرے ساتھ پیش آئے جو مجھے ساری عمر یاد رہیں گے اور انہی لمحات نے مجھے اللہ تعالی کے نزدیک بھی کر دیا-

پہلا واقعہ باڑہ کے علاقے میں پیش آیا جب باڑہ کے علاقہ میں سال 2009ء میں پہلی مرتبہ آپریشن کا آغاز ہوا اور کرفیو لگایا گیا-ان دنوں وہاں سیکورٹی فورسز کی گاڑیوں پر بہت زیادہ دھماکے ہوتے تھے اسی وجہ سے سیکورٹی فورسز کے اہلکار بھی دیکھے بغیر فائرنگ کرتے تھے جس کی زد میں آ کر بہت سارے لوگ اپنی جان گنوا چکے تھے -انہی دنوں میں میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا- گرمیوں کے دن تھے اور باڑہ میں مقامی نمائندے نے ایف سی کی رہائشی کوارٹرز کیساتھ دھماکے کی اطلاع دی-میں ان دنوں دنیا ٹی وی میں کام کررہا تھا اور مجھے وہاں فوراً پہنچنے کی ہدایت کی گئی اور کہا گیا کہ ڈی ایس جی تمھارے پیچھے آ جائیگی اور تم پھر وہاں سے لائیو کوریج کرنا-میرے ساتھ ڈرائیور اتم شہزاد اور کیمرہ مین عامر علی شاہ بھی موجود تھے-انتہائی تیز رفتاری سے ہم پشاور صدر کے علاقے سے نکلے اور ہماری ٹیم وہاں سب سے پہلے پہنچی- تقریبا پچیس منٹ بعد ہم باڑہ قدیم کے چیک پوسٹ کو کراس کر کے باڑہ کے اندرونی علاقے میں جہاں پر دھماکہ ہوا تھا پہنچ گئے -وہاں پر عام لوگ بھی کھڑے تھے جو ڈر کے مارے باڑہ کے علاقے میں اندر نہیں جارہے تھے-ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کی دکانیں تھیں تاہم حفاظتی نکتہ نظر کے باعث انہوں نے دکانیں بند کر دیں تھیں اور باہر بیٹھے تھے-ابھی ہم گاڑی سے اترے ہی تھے کہ سیکورٹی فورسز کی ایک گاڑی اس مقام سے ہماری طرف بڑھنے لگی -ہم صحافیوں کی سب سے بڑی مصیبت یہی ہوتی ہے کہ سب سے پہلے خبر کے چکر میں کبھی کبھار ہم خود بھی خبر بن جاتے ہیں اور ہم سے بھی یہی غلطی ہوئی تھی- جب صحافی سب سے پہلے اس مقام پر پہنچتے ہیں تو بالکل عجیب سے احساسات ہوتے ہیں جو شیئر نہیں کئے جا سکتے-

سیکورٹی فورسز کی گاڑی ہماری طرف سے ہوکر دوسری طرف چلی گئی وہاں پر چونکہ دھماکہ ہوا تھا اسی وجہ سے عجیب سی خاموشی تھی اور اداسی کا سماں تھا ایسے میں میں نے مقامی لوگوں سے سوال و جواب شروع کر دیئے کہ کیا صورتحال ہے اور کون لوگ صحیح ہیں' سیکورٹی فورسز یا منگل باغ کا لشکر اسلام' اور وہ اپنے آپ کو کن لوگوں میں محفوظ سمجھتے ہیں-وہاں پر کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوگئے- تاہم لوگ اس حوالے سے بات کرنے سے گھبرا رہے تھے-ایسے وقت میں ہمارے دونوں اطراف میں دکانوں کی پیچھے مکانوں میں رہائش پذیر لوگوں کی ایک بڑی تعداد موقع کو دیکھنے کیلئے نکل آئی کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے اسی دوران ہمارے دائیں سائیڈ سے سیکورٹی فورسز کے اہلکاروں نے ہوائی برسٹ مارا تا کہ لوگ منتشر ہو جائیں اور لوگ ڈر کے مارے منتشر بھی ہوگئے ہم بھی ایک سائیڈ پر کھڑے ہوگئے یکدم بائیں طرف جانیوالے سیکورٹی فورسز کے اہلکاروں نے ہم پر فائرنگ شروع کر دی اور یہ فائرنگ بغیر کسی وجہ کی تھی -فائرنگ کی باعث ہم لیٹ گئے ڈرائیور اتم شہزاد نے گاڑی ایک نزدیکی مارکیٹ کی طرف بھگا دی جبکہ میں اور عامر علی شاہ بھی گاڑی کے پیچھے مارکیٹ میں لیٹ کر نکل گئے جہاں پر ہم آدھ گھنٹہ محصور رہے کیونکہ فائرنگ کا سلسلہ مسلسل آدھ گھنٹہ جاری رہا-میں اور عامر علی شاہ مارکیٹ میں چھپے بیٹھے رہے اس دوران ایک مقامی شخص میرے نزدیک آیا اور اس نے کہا کہ تمھارے سوالات انتہائی خطرناک ہیں یہ ہمارے لئے مسائل پیدا کر سکتے ہیں نہ ہم سیکورٹی فورسز کے خلاف بات کر سکتے ہیں اور نہ ہی لشکر اسلام کے خلاف - کیونکہ دونوں کے خلاف بات کرنے میں ہمیں نقصان اٹھانا ہوگا تم لوگ تو خبر دیکر نکل جاؤ گے لیکن بعد میں ہمیں مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا- آدھے گھنٹے کی فائرنگ کے بعد اچانک خاموشی چھا گئی اور ہم ڈرتے ڈرتے نکل آئے دفتر سے اسائنمنٹ ایڈیٹر کا فون آرہا تھا کہ لائیو کوریج کیلئے کیا کرنا ہے اور میں نے اسے بتا دیا کہ ہم لائیو کوریج نہیں دے سکتے البتہ آڈیو پر میرا واقعے کے حوالے سے بیپر لے سکتے ہیں جو کہ لاہور دفتر نے دوران محصوری مجھ سے لے لیا-حالات نارمل ہونے کے بعد میں نے لائیو بیپر اس مقام پر کروالیا جو کہ بعد میں لیٹ خبروں میں چل گیا تاہم اگر ہم ذرا سی بھی بے احتیاطی کرتے تو سیکورٹی فورسز کی گولیاں کا نشانہ بن جاتے - یہ میری صحافتی زندگی میں پہلا واقعہ تھا جس نے نہ صرف مجھے ڈرا دیا تھا بلکہ مجھے سیکورٹی فورسز پر بھی بہت غصہ آیا تھا جنہوں نے بغیر کسی وجہ کی فائرنگ شروع کر دی تھی-اسی کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ مجھے ایک اور سبق سکھا گیا اور میرا اللہ تعالی پر اعتقاد مزید پختہ ہوگیا کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے-

دوسرا واقعہ پیپلز منڈی پشاور میں ہونیوالا مشہور دھماکہ تھا جس میں ایک سو سے زائد افراد جاں بحق ہوگئے تھے اس واقعہ کی کوریج کیلئے ہماری پوری ٹیم وہاں پہنچ گئی تھی تاہم ہماری ڈی ایس این جی کسی دوسری جگہ پر مصروف تھی۔ چونکہ یہ دھماکہ بہت بڑا تھا اور اس میں درجنوں دکانیں بھی تباہ ہوئی تھیں۔اس واقعے نے پورے پشاور شہر کو رلا دیا تھا۔واقعہ کے بعد پیپلز منڈی کے دکانداروں نے دکانیں فوری طور پر بند کردی تھیں اور شہر کے مختلف علاقوں سے لوگوں کی بڑی تعداد اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کررہی تھی کہ انہیں صورتحال کا اندازہ ہوسکے۔ اپنی صحافتی زندگی میں ہماری تو مجبوری ہوتی ہے کہ بم دھماکے یا خودکش حملے کی جگہ پر پہنچنے کی کوشش کریں تاہم کبھی کبھار بہت عجیب لگتا ہے جب عام لوگ بھی اس مقام پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اسی وجہ سے نہ صرف ہمیں بلکہ پولیس کو بھی تفتیش میں مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔اسی دوران لوگوں کو اس مقام سے نکالنے کیلئے ایف سی کی بھاری نفری پیپلز منڈی پہنچ گئی یہ تقریبا دھماکے سے بیس منٹ بعد کا واقعہ ہے۔اسی دوران مجھے اس وقت کے ڈائریکٹر نیوز نے فون کیا کہ اس واقعے میں کتنے لوگ جاں بحق ہوگئے ہیں فوری طور پر مجھے جو معلومات تھی وہ 13 افراد کی تھی مجھے ڈائریکٹر نیوز بتا رہے تھے کہ زیادہ نہیں بتانا۔ میں ابھی بات کررہی رہا تھا کہ یکدم ایف سی اہلکاروں نے لوگوں پر فائر کردیا۔ پہلا فائر ایک ایف سی اہلکار نے ہمارے ڈی ایس این جی کی طرف کیا جو انتہائی خطرناک حد تک نیچے تھا اور میں ڈر کے مارے بیٹھ گیا۔ڈائریکٹر نیوز نے مجھے کہا کہ کیمرے مین کو کہو کہ فائر کرنے والے ایف سی کے اہلکار کو کیمرے میں کور کرے۔ اور میں نے یہ ہدایات کیمرہ مین کو دی۔ جونہی کیمرہ ایف سی اہلکار کی طرف ہوگیا تو اس نے فائرنگ روک دی اس سے قبل وہ ہمیں بھی کہہ رہا تھا کہ گاڑی یہاں سے ہٹاو۔ یہ دوسرا واقعہ تھا جہاں پر اللہ تعالی کی مہربانی سے کوریج کے دوران فائرنگ کی زد میں آنے سے بچ گیا حالانکہ ایف سی کے اہلکار نے تو اپنی طرف سے ہمیں پار کرنے کی کوشش کی تھی۔چونکہ یہ دھماکہ انتہائی حد تک بڑا تھا اسی وجہ سے اس کی کوریج بھی شام تک جاری رہی یہ دھماکہ دوپہر کے وقت ہوا تھا اور مسلسل ایک ہفتے تک دیگر پرائیویٹ چینلز بھی اس حوالے سے رپورٹنگ کرتے رہے۔

میری صحافتی زندگی میں تیسرا واقعہ ہنگو میں پیش آیا جہاں پر کچا پکا کے علاقے میں ایک کار میں خودکش دھماکہ کیا گیا۔ واقعہ رمضان کے آخری جمعے کو پیش آیا تھا۔ہمیں اطلاع پہلے مل گئی اسی وجہ سے اسائنمنٹ ایڈیٹر نے مجھے کہا کہ تم وہاں کیلئے نکل جاؤ۔ جب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں پر خودکش حملہ ہوا تھا تو کثیر تعداد میں مقامی لوگ رو رہے تھے اور انتہائی جذباتی ماحول تھا چونکہ رمضان بھی تھا اور گرمی بھی تھی۔ یہ واقعہ شیعہ کمیونٹی کے علاقے میں پیش آیا تھا اسی بناء پر جب ہم وہاں پہنچ گئے تو مقامی شیعہ تنظیموں نے ہمیں اندر جانے نہیں دیا اس حوالے سے انکا موقف تھا کہ میڈیا کوریج نہیں کرے گا زیادہ تر نوجوان تھے جنہوں نے باقاعدہ لاٹھیاں اٹھا رکھی تھی اور وہ سیکورٹی فورسز سمیت طالبان کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔تاہم ہم نے انہیں کہا کہ ہم آپ کیلئے ہی آئے ہیں۔اسی وقت پاک آرمی کے اہلکار بھی پہنچ گئے تاہم انہیں اسی مجمع نے انہیں آگے جانے نہیں دیا۔مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کی نااہلی کی وجہ سے ہمیں ٹارگٹ بنایا گیا ہے اس لئے سیکورٹی کا کوئی بھی بندہ اندر نہ آئے۔اس دوران میرا لائیو بیپر شروع ہوگیا اور میں نے بتادیا کہ سیکورٹی فورسز یہاں پہنچ گئی ہیں تاہم مقامی لوگ انہیں نہیں آنے دے رہے تاکہ وہ تحقیقات کا عمل شروع کریں اور مجمع نے پورے ایریا کو حصار میں لیا ہوا ہے اور کسی دوسرے شخص کو آنے کی اجازت نہیں دے رہے جس پر یہ لوگ مشتعل ہوگئے اور انہوں مجھے کیمرہ مین سمیت گھیر لیا۔اس وقت ان کے مقامی شیعہ لیڈر وہاں پہنچ گئے اور اس نے لائیو بیپر کے دوران مجھ سے مائیک چھین لیا۔وہ کہنے لگے کہ ہم اس کے ذریعے پوری دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہورہی ہے میں نے آہستہ سے مائیک کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ مقامی لیڈر بولتا رہا لاہور ہیڈ آفس کو بھی اندازہ ہوگیا کہ حالات خراب ہیں اسی وجہ سے انہوں نے لائیو کوریج بند کردی اور میں نے مائیک میں لگے ہوئے بٹن کو دبا کر اسے آف کردیا تاہم لیڈر کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ مائیک بند کردیا گیا ہے--بات مکمل کرنے کے بعد شیعہ لیڈر نے ان ڈنڈا بردار لڑکوں سے کہا کہ یہ سیکورٹی فورسز کے حوالے سے بات کررہا تھا ابھی اسے مزا تو چکھاؤ۔اور وہ میرے چاروں طرف جمع ہوگئے اسی دوران کیمرہ مین عامر علی شاہ نے سب کو مخاطب ہوکر کہا کہ بھائیو میری بات سنو! سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے تو اس نے کہا کہ میں سید عامر علی شاہ ہوں جبکہ یہ مسرت حسین بخاری ہے یعنی کہ ہم شیعہ برادری سے ہیں جس پر وہاں کے لوگوں کا غصہ کم ہوگیا۔اللہ تعالی نے خیریت کردی اور مجھے اس صورتحال سے بچا لیا اسی واقعے کے بعد دیگر چینلز بھی واقعے کی کوریج کیلئے پہنچ گئے۔

حیرت انگیز طور پر میرے ساتھ جتنے بھی ایسے واقعات پیش آئے جس میں میری جان کو خطرہ تھا اس میں میرے ساتھ کیمرہ مین عامر علی شاہ تھا۔ کیمرہ مین عامر علی شاہ کے حوالے سے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ انتہائی تیز اور ذہین کیمرہ مین ہے لیکن اپنی مرضی کا مالک ہے۔میرے ساتھ چوتھا واقعہ شگئی ہنڈکیان کے علاقے میں پیش آیا جب میں پشاور ہائیکورٹ میں کوریج کیلئے گیا تھا ان دنوں میں ہائیکورٹ کی کوریج کرتا تھا میں اپنی ٹیم جس میں کیمرہ مین عامر علی شاہ اسسٹنٹ عمران خان اور انجینئر عرفان خٹک سمیت ڈرائیور جانان تھا میں کوریج کے بعد واپس دفتر آرہا تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ شگی ہنڈکیاں کی طرف نکل جاؤ وہاں دھماکہ ہوا ہے۔اسسٹنٹ عمران خان نے عامر علی شاہ کیساتھ لائیو کوریج کیلئے تار پکڑا ہوا تھا اور اسی دوران مجھے لاہور سے فون آیا کہ آپ لائیو بیپر دیں میں بیپر کیلئے کھڑا ہی تھا کہ یکدم چار میٹر کے فاصلے پر میرے پیچھے دوسرا دھماکہ ہوگیا دھماکے کی شدت کی وجہ سے میں زمین پر بیٹھ گیا پہلے تو مجھے سمجھ نہیں آیا کہ کیا ہوا لیکن دھماکے کی جگہ کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین نہیں آیا کہ میں

بچ گیا ہوں۔ ہمارا ڈرائیور جانان ڈر کے مارے گاڑی کو سٹارٹ نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے بیورو چیف صفی اللہ گل کو فون کیا کہ کسی دوسرے رپورٹر کو بھیج دیں کیونکہ میرا ذہن مکمل طور پر منتشر ہے اور کام نہیں کر سکتا۔ اسی وقت ناصر داوڑ آئے تاہم اس نے معذرت کی کہ تم نے ہی اس بم دھماکے کو کور کرنا ہے پہلا بم بجلی کے ایک کھمبے کے نیچے نصب کیا گیا تھا جس کا نشانہ ایک سکول وین بنی جس میں دو بہنیں جو کہ ٹیچرز تھی اپنی زندگی کی بازی ہار گئیں جبکہ متعدد بچے بھی زخمی ہو گئے جبکہ دوسرے بم میں چار کلو بارود تھا جس کی تصدیق بم ڈسپوزل یونٹ نے بھی کر دی تھی۔ اس واقعے کے بعد رات دس بجے تک میں انتہائی منتشر ذہن کیساتھ کام کرتا رہا تاہم اس واقعے نے مجھے ایک مرتبہ پھر اللہ تعالی کے نزدیک کر دیا کہ جیسا اللہ چاہتا ہے ویسے ہی ہوتا ہے - زندگی اور موت اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے۔

میگزین یا مضمون سے متعلق مزید معلومات کے لئے رابطہ کیجیے:

info@individualland.com

فیس بک تبصرے

انڈو یجوئل لینڈ کے فیس بک پیج پر پوچھے گئے سوال 'میڈیا کیا ہے؟' کے مندرجہ ذیل جوابات حاصل ہوئے:

عائیشہ بابر: ایک معلوماتی اور تفریح فراہم کرنے کا ذریعہ۔

رائنز ہیوفرز: وہ لوگ جنہیں آپ چاہتے ہیں اگر وہ آپ کو پسند کرتے ہوں۔

کیتھلین بوک مین: جدید معاشروں میں سماجی گفتگو اور میل جول کا ذریعہ۔

میر شائی مزر بلوچ: یا اسے چاہو یا نفرت کرو مگر نظر انداز کرنا مشکل ہے۔

اولاف کیلر ہوف: چوتھا ستون، پانچواں کالم

ارشد بھٹی: ایک کتا جو کبھی کبھی اور کسی کسی پر بھونکتا ہے مگر کاٹتا کبھی نہیں۔

لولا موریلز: وہ ہاتھ جو گہوارے کو ہلاتے ہیں۔

جامی چانڈیو: علم کم، اعتماد زیادہ۔

تابندہ زبیری: اگر ٹھیک سے استعمال کیا جائے تو ذہنوں کو بدل سکتا ہے۔

امان ترین: زہریلا، تشہیر کرنے والا، سیاست، بداخلاق، سوقیت، پست ہمت

رابعہ برنی: عالمی دنگل

شعیب سرور: ایک بداخلاق معاشرے کا بیمار جز

عدنان قسیم: معلوماتی، تعلیماتی، ردوبدل کرنے والا، بداخلاق، منہ پھٹ مگر ہمیشہ تفریح فراہم کرنے والا۔

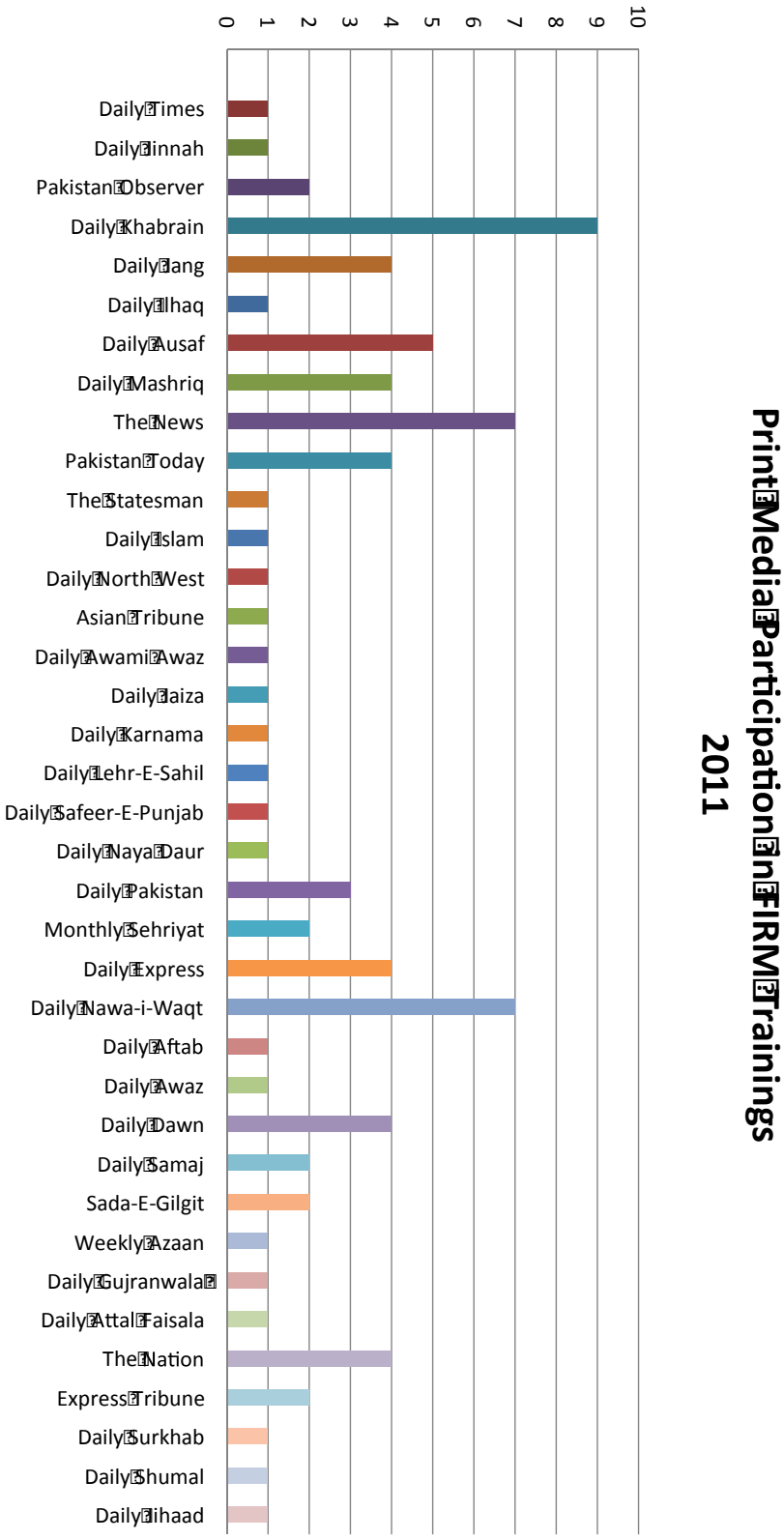
Print Media Participation in FIRM Trainings
2011
0
1
2
3
4
5
6
7
8
9
10
Daily Times
Daily Jinnah
Pakistan Observer
Daily Khabrain
Daily Jang
Daily Ilhaq
Daily Ausaf
Daily Mashriq
The News
Pakistan Today
The Statesman
Daily Islam
Daily North West
Asian Tribune
Daily Awami Awaz
Daily Jaiza
Daily Karnama
Daily Lehr-E-Sahil
Daily Safeer-E-Punjab
Daily Naya Daur
Daily Pakistan
Monthly Sehriyat
Daily Express
Daily Nawa-i-Waqt
Daily Aftab
Daily Awaz
Daily Dawn
Daily Samaj
Sada-E-Gilgit
Weekly Azaan
Daily Gujranwala
Daily Attal Faisala
The Nation
Express Tribune
Daily Surkhab
Daily Shumal
Daily Jihaad

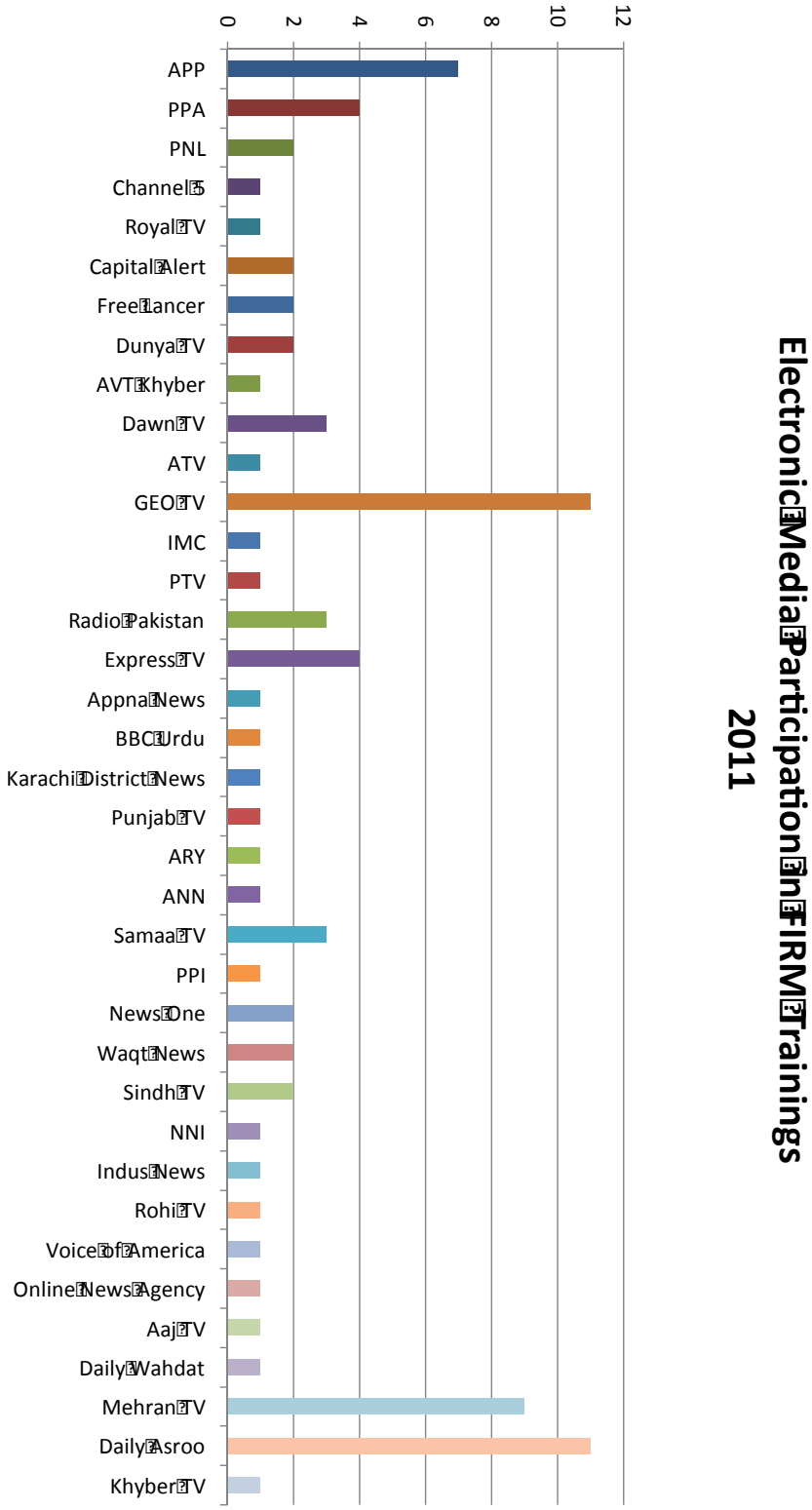

Electronic Media Participation in FIRM Trainings 2011

ادارے سے آگاہی

انڈیجینس لینڈ پاکستان ایک متحرک، غیر جماعتی اور غیر منافع بخش درج شدہ سول سوسائٹی ادارہ ہے۔اس کا بورڈ کل پانچ ارکان پر مشتمل ہے، جبکہ روزمرہ کے معاملات اس ادارے کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری ہے۔ قیام سے لے کر آج تک اس ادارے نے حکومتی انتظامات، قانون کی بالادستی، میڈیا اور مراسلاتی ہنر، سول سوسائٹی کے استحکام اور جمہوریت کی ترقی کے لئے کام کیا ہے۔

اس ادارے کو بنیادی طور پر اس کے ممبران اور ٹرسٹیز فنڈز فراہم کرتے ہیں۔اس کے علاوہ دیگر پراجیکٹس کے ڈونرز اور کلائنٹس بھی فنڈز فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے بین الاقوامی پارٹنرز میں اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ، کامن ویلتھ سکریٹریٹ اور ایشین ڈیویلپمنٹ بینک کا بھی شمار ہوتا ہے۔

انڈیجینس لینڈ نے واضح طور پر قانون دانوں اور دیگر سول سوسائٹی اداروں کے ساتھ مختلف حیثیتوں میں کام کیا ہے اور خصوصاً میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد کی تربیت کے حوالے سے اس کا نام پورے پاکستان میں جانا جاتا ہے۔اس حوالے سے اس ادارے کا دونوں اطراف سے گہرا تعلق ہے اور اسی بناء پر سول سوسائٹی اور پارلیمان سے تعلق رکھنے والے افراد کے تعلقات کی مضبوطی اور بڑھاؤ کے لئے بہت سے اقدامات بھی کر چکا ہے۔انڈیجینس لینڈ کے صوبہ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں بھی گہرے مراسم ہیں جو اسے کئی اعتبار سے مدد فراہم کرتے ہیں۔

اشاعت

میڈیا سے متعلق

تنازعاتی تجزیے اور انتہا پسندی کے خاتمے سے متعلق

فردمئی ۲۰۱۱ شمارہ میڈیا اور تضاد

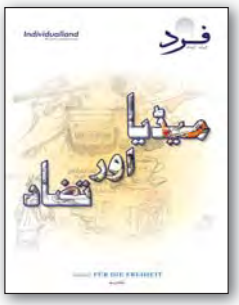

اقتصادیات

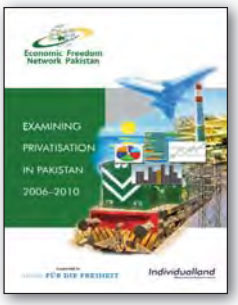

حکومت اور احتساب

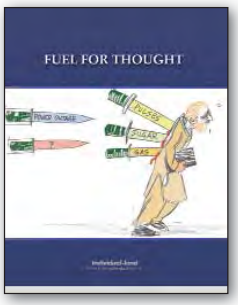

اگلی اشاعت مئی ۲۰۱۲ میں

http://individualland.com/firm-blog/
info@individualland.com
www.individualland.com